فائزہ افتخار

تیسری قسط

وہ چادر کی بکل مارے دبے پاؤں حویلی کی راہ داری سے گزر رہی تھی۔ بغل میں دابی گٹھڑی ایک ہاتھ میں پکڑی کولہاپوری چپل تاکہ پیروں کی آہٹ ہی نہ آسکے اور وہ کم بخت چغل خور پازیب بھی اتار کے گٹھڑی میں باندھ رکھی تھی۔ ساری حویلی سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی بس باہر سے کتوں کے بھونکنے کی آواز گاہے بہ گاہے آجاتی تھی پھر گلیوں میں نیند سے ڈولتے قدموں کے ساتھ پھرتے چوکیدار کی صدا گونجی۔

"جاگتے رہنا بھائیو۔۔۔"

اور سہج سہج قدم اٹھاتی سلمیٰ لحہ بھر کو ہڑبڑا کر رہ گئی جیسے لالہ مقبول نے پیچھے سے آکے اس کے کان میں دھاڑا ہو۔

"پکڑی گئی بچی۔"

وہ گھبرا کے دائیں بائیں دیکھنے لگی مگر نیم تاریک راہ داری کے سبب کمروں کے دروازے بند تھے اور بند دروازوں کے پیچھے گہری نیندیں۔

ایک گہرا اطمینان بھرا سانس لے کر اس نے قدم بڑھایا۔ مگر اگلے ہی پل کسی نے اسے بازو سے پکڑ کے اپنی جانب کھینچا اس کی چیخ نکل جاتی اگر ایک نرم گداز سی ہتھیلی اس کے ادھ کھلے منہ پر مضبوطی سے جم نہ جاتی۔

وہ دیوار سے چھپکلی کی طرح چپکی دہشت زدہ آنکھوں سے ام ہانی کو دیکھ رہی تھی۔

"بھاگ رہی ہے؟"

ام ہانی کی سرگوشی ابھری۔ سلمیٰ نے ڈرتے ڈرتے ہاں میں چنبیلی کے تیل میں ڈوبی کھوپڑی ہلائی۔

"تو ابھی تک نکلی کیوں نہیں دن چڑھنے کا انتظار ہے کیا؟ بدھو۔"

ام ہانی کی سرگوشی ہلکی سی غراہٹ میں بدلی۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے دوپٹے کے پلو کو کھولتی کچھ نکال رہی تھی۔

"یہ رکھ لے۔"

سلمیٰ کی ہتھیلی پہ اس نے کچھ ہزار کے نوٹ رکھے۔

"ہانی بی بی۔۔۔ یہ۔۔۔"

"شش۔۔۔ چپ نکل جا اب دفعان بھی ہو۔"

ام ہانی نے بازو سے پکڑ کے اس کا رخ راہ داری کے اس سرے کی جانب موڑا جہاں داخلی دروازہ تھا۔ آنکھوں میں ممنونیت کے آنسو لیے سلمیٰ نے جاتے جاتے اسے گلے لگانا چاہا مگر ہانی نے دوبارہ سختی سے اسے کاندھوں سے پکڑ کے اس جانب موڑ دیا۔

"بس بس۔۔۔ ہو گیا نا۔۔۔ جا اب۔۔۔"

اور سلمیٰ یوں ہی گٹھڑی بغل میں اور روپے مٹھی میں دبائے دبے پاؤں باہر نکلی۔ سامنے بڑے سے آہنی گیٹ پر یہ موٹے موٹے تالے لٹک رہے تھے اور باہر اسٹول پہ لالہ مقبول بھی رائفل لے کر ضرور ہی بیٹھا ہوگا۔ وہ چپکے سے دائیں جانب کھنڈر کو مڑ گئی جہاں کی ٹوٹی دیوار سے نکل کے جھاڑیوں سے الجھتے اور آوارہ کتوں سے بچ کے نکلتے جانا تھا تو مشکل۔۔۔ مگر اس کے سوا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔

کھنڈر میں جاتے ہی اس نے چپل پیروں میں اڑس لی اور چادر کی بکل کھول کے اسے کس کے کمر پہ باندھ دیا، گٹھڑی رکھی سر پہ اور دیوار سے کودنے لگی۔ کتے اب اور توانائی لگا کے بھونکنے لگے۔

☼ ☼ ☼

لاہور کے اس علاقے میں رات جتنی ہنگامہ خیز ہوتی ہے، آغاز سحر بھی کم نہیں ہوتا۔ وہ جو ایک سکوت کا سا عالم ہوتا ہے وہ بس چند پل کا ہوتا ہے۔ شب کے آخری چند پل طلوع سحر سے پہلے کے چند پل جس میں ایک ملگجا سا اندھیرا ویران سونے پڑے گلی کوچوں کو حیرت سے تک رہا ہوتا ہے۔

ایسے ہی کچھ پل تھے جب سرمئی پنکھوں والے کچھ کبوتر بادشاہی مسجد کے میناروں سے چمٹے اونگھ رہے تھے اور اذان کی پہلی صدا ابھرنے سے پہلے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ہونے والی گھڑگھڑاہٹ ہی نے انہیں سہما کے اڑان بھرنے پر مجبور کر دیا۔

بالکل اسی طرح جیسے میں "اللہ اکبر" کی صدا گھری نیند میں بھی کان میں پڑتے ہی بیڈ سے اچھل پڑا۔ سرہانے رکھے الارم کلاک کو بجنے کی زحمت دینے سے پہلے ہی بند کیا اور کرسی پر رکھی اپنی جینز اور ٹی شرٹ اٹھا کے واش روم کی طرف بھاگا۔ میری اسی اچھل کود سے اور واش روم کا دروازہ زور سے کھلنے اور پھر بند ہونے پہ شعیب کی کوفت میں ڈوبی بڑبڑاہٹ ابھری۔

"کیا یار... سویرے سویرے..."

اور ٹھیک پانچ منٹ بعد میں جب دھڑا دھڑ سیڑھیاں اترتا ہاسٹل سے نکلنے کو تھا تب بند دروازے کے پیچھے سے یا تو الارم کلاک بجنے کی یا نلکوں سے بہتے پانی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اس سے اگلے پانچ منٹ میں میں ریلوے اسٹیشن پہ موجود تھا اور پلیٹ فارم پہ کھڑی ٹرین پہ ہوتی پانی کی بوچھاڑ سے اندازہ ہوا کہ میں وقت سے خاصا پہلے پہنچ گیا ہوں۔ ابھی تو کوئی قلی بھی پلیٹ فارم پہ گٹھڑی بنے اونگھ رہے تھے۔ ہاکرز اخباروں کے بنڈل کھول رہے تھے۔ میں نے بیگ ایک بنچ پہ پھینکا اور اس سے ٹیک لگا کے سامنے والے ٹی اسٹال کو دیکھ کے سوچنے لگا کہ مجھے اس کالی بھجنگ کیتلی میں ابلتی چائے پینی چاہیے یا نہیں اور پھر ٹی اسٹال پہ رکھے ریڈیو سے ابھرتی عارف لوہار کی آواز نے میری ساری توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔

الف اللہ... چنبے دے بوٹی
تے میرے مرشد من وچ لائی ہو...
جگ جگ جیے میرا مرشد
اے جس اے بوٹی لائی ہو

میرے اندر کوئی بے خود سا ہو کے دھمال ڈالنے لگا

☼ ☼ ☼

"بھابھی... ماسی رشیداں... نکل گئی نا وہ بدبخت... بھابھی۔"

مہ پارہ نے اک شور سا مچا کر سویرے ہی ساری حویلی ہلا کے رکھ دی۔ ایک ایک کر کے سب کمروں کے دروازے کھلنے لگے ام ہانی کے کانوں تک بھی یہ واویلا پہنچا۔

"بھاگ گئی ہے رات کے اندھیرے میں وہ کلموہی۔" اس نے گھبرا کے وال کلاک پہ وقت دیکھا چھ بجنے والے تھے یعنی اسے نکلے گھنٹے سے اوپر ہو گیا تھا۔

"اللہ کرے ٹرین وقت پہ چل پڑی ہو۔" اس نے دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ دعا مانگی اور چپل اڑستے ہوئے باہر نکلی جہاں مہ پارہ سب کو اکٹھا کیے چلا رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا بھابھی اس کے لچھن ٹھیک نہیں ہیں۔"

"ٹھیک سے دیکھو مہ پارہ۔" نائلہ کے اپنے اوسان بھی خطا ہو رہے تھے۔ معمولی بات نہیں تھی یہ۔

"یہیں کہیں ہو گی وہ۔ اتنی بڑی حویلی ہے۔"

"آخر کتنی بڑی ہے؟ کونا کونا دیکھ لیا ہے میں نے۔ اپنے سامان سمیت غائب ہے وہ... ارے کسی کو بھیجیں اسے ڈھونڈنے۔"

ماسی رشیداں نے فٹ لالہ مقبول کو دوڑایا اور وہ اکیلا تھوڑا ہی دوڑا۔ ساتھ لٹھ بردار چھ کالے بھی لے گیا۔

☼ ☼ ☼

"اے وے میریا جگنی"

عارف لوہار کی جگنی پہ سر دھنتا میں، ٹکٹ لے کر ٹرین پہ سوار ہوا۔ سارا ڈبا خالی پڑا تھا۔ ابھی بھی کوئی آدھا گھنٹہ تھا ٹرین کی روانگی میں۔ میں اطمینان سے ٹانگیں پسار کے اپنے سیل فون پہ کینڈی کرش سے شغل کرنے لگا۔

"ڈنگا چڑھا لوکڑیو...
اج دا نادے درباردیاں..."

اور عارف لوہار نے جیسے مجھے جھنجوڑ کے رکھ دیا۔

"اوئے... ونگاں... (چوڑیاں) یار... جس کام سے جا رہا تھا وہ تو کیا ہی نہیں۔" دل ہی دل میں خود کو جھڑکتا... گھڑی پہ وقت دیکھا۔ میں ایک بار پھر ٹرین سے باہر تھا۔

کچھ دیر پہلے میں ٹرین کے وقت سے پہلے چل پڑنے کی دعا کر رہا تھا اور اب تاخیر سے روانگی کے لیے منت مان رہا تھا۔ اسٹیشن کے باہر رک کر کسی ٹیکسی و رکشے کا انتظار کرنے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے میں اس ویگن سے ہی لٹک گیا جو پوری طرح سے بھرنے کے بعد بس نکلنے کو ہی تھی۔ ہمیشہ ویگنوں کی اندھی رفتار سے وحشت کھانے والا میں اب اس کے رینگنے پہ تلملا رہا تھا۔

مینار پاکستان کے باہر جھاڑو سے خاک اڑاتے خاکروب۔

حلوائی کی دکان پہ کڑاہی سے نکلتی پوریاں اور پیتل کے بڑے گلاسوں سے چھلکتی لسی۔

فٹ پاتھوں پہ رکھے لکڑی کے بنچوں پہ بیٹھے بڑے بڑے لقمے توڑ کے ناشتا کرتے لاہوری۔

نیلی قمیصوں، سفید شلواروں میں اسکول جاتے بچے، سبزی پہ پانی کے چھینٹے مار کے ان کا وزن بڑھاتے ٹھیلے والے۔

ایک ایک منظر جیسے سست روی سے گزر رہا تھا۔

"تاجدار حرم... ہو نگاہ کرم"

دربار کے احاطے سے اٹھتی آوازوں سے میری جان میں جان آئی ابھی ویگن ٹھیک سے رکی ہی نہیں تھی جب میں چھلانگ مار کے سڑک پر تھا۔

سر پہ رومال باندھتا، سیڑھیوں پہ جا کر زائرین اندھا دھند اندر کی جانب بھاگا منت کی سیاہ چوڑیاں لیں اور پھر اسی رفتار کے ساتھ دربار کے باہر واپسی کے لیے مجھے چنگ چی رکشا سب سے پہلے دستیاب ہوا۔ اور یہ میرے لیے پہلا تجربہ تھا۔ اور غالباً "یہ بھی پہلا پہلا تجربہ تھا کہ ٹرین وقت پہ جانے کے لیے تیار تھی۔ جس وقت میں اسٹیشن پہنچا اناؤنسمنٹ کی آواز کے ساتھ ساتھ ٹرین کا سائرن بھی زور و شور سے بج رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کب آئے گی ریل گاڑی؟"

اس چھوٹے سے اسٹیشن پہ چادر کی بکل میں چھپی سلمٰی نے ہراساں نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ایک ہی تو آتی ہے سارے دن میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔" خداداد خود بھی سہما ہوا تھا۔

"ساری حویلی میری بو سونگھتی پھر رہی ہو گی چل خداداد' لاری اڈے چلتے ہیں کسی ویگن سے نکل جاتے ہیں۔"

"ویگن کا پیچھا کرنا اور اسے بڑی سڑک پر رکوانا' ان کے لیے آسان ہو گا۔ اس لیے ریل گاڑی کا سوچا کہ ایک بار نکل گئے تو بس نکل گئے۔"

"ہاں مگر نکلے تب نا۔۔۔ ریل کے آنے سے پہلے لوگ آ گئے تو؟"

ابھی سلمٰی کی بات منہ میں تھی کہ لالہ مقبول اپنے لٹھ بردار جتھے کے ساتھ ان کے سر پہ تھا۔ سلمٰی کی چیخ اس کے حلق میں گھٹ کے رہ گئی جب لالہ کی لاٹھی خداداد کے سر پہ پڑی اور وہ چکرا کے نیچے گرا۔

وہ چاروں بے جان سی سلمٰی کو گھسیٹتے ہوئے جیپ میں ڈالنے لگے جو زمین پہ بھر بھر بہتے خداداد کے خون اور اوندھے پڑے اس کے نیم مردہ وجود کو تکتی جا رہی تھی۔ اس میں مزاحمت کرنے کی بھی سکت نہیں تھی پھر بھی نجانے کیسے اس کی سانولی کلائی میں پھنسی کرنجی رنگ کی کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ کے خداداد کے پاس گری پڑی تھیں۔

"تم دونوں یہیں رکو۔ اس گند کو اٹھا کے کہیں پھینکو پھر آنا۔"

اور جب کچھ دیر بعد ٹرین اسی پلیٹ فارم پہ آ کے رکی اور میرے قدم زمین پہ پڑے تو وہ گند اٹھا کے دور کہیں پھینکا جا چکا تھا' مگر خون کے دھبے دھوپ سے سوکھ کے وہیں بھورے ہو چکے تھے اور کرنجی چوڑیوں کی کرچیاں میرے قدموں تلے آ کے چرمرائی تھیں لیکن میرا سارا دھیان تو میری جیب میں رکھی منت کی ان چوڑیوں کی جانب تھا جن کو اسے سونپنے کی جلدی تھی مجھے' جو شاذ و نادر ہی کوئی فرمائش کرتی تھی۔ جیسے اڑا اڑا میں تڑکے سے پھر رہا تھا اس اڑان کے ساتھ حویلی جانے لگا۔

☼ ☼ ☼

بڑے دادا کچا چبا جانے والی نظروں سے سلمٰی کو گھور رہے تھے۔ یہ الگ بات کہ دلیہ' کھچڑی اور یخنی پہ زندہ بڑے دادا میں اب گندم کی روٹی کا ایک لقمہ چبانے کی سکت نہ تھی' سالم سلمٰی کو کیا نگلتے پھر بھی وہ تھر تھر کانپے جا رہی تھی۔ پیچھے سرکے جا رہی تھی۔۔۔ اور دیوار سے لگی جا رہی تھی کہ مہ پارہ کی نظریں کون سا کم تھیں اور نگلنے اور چبانے سے کوئی پرہیز بھی نہ تھا۔

"ایسی کون سی آفت ٹوٹی پڑ رہی تھی تم پہ' کر رہے تھے نا ہم تمہارا بندوبست چند دن خود کو سنبھال نہیں سکتی تھی۔"

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ ایسا بے باک زہر اگلتی کہ نائلہ کو دادا جی کے سامنے حیا آ جاتی' اس نے نند کی توجہ دادا جی کی اکھڑی سانسوں کی جانب دلانا چاہی۔

"مہ پارہ۔۔۔ دادا جی کا انہیلر۔" مہ پارہ نے دراز میں سے انہیلر نکالتے دادا جی کو دیتے بھی اپنا شغل جاری رکھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو آسانی سے بھاگ جاؤ گی یہاں سے۔۔۔ اس گھر کی ملازمہ کی ذمہ داری بھی یہاں ایسے ہی نبھائی جاتی ہے جیسے گھر کی بیٹیوں کی۔ رشتہ طے کیا ہے رضوان بھائی صاحب نے تمہارا' زبان دی ہے کم بخت۔۔۔ اس دو ٹکے کے ڈرائیور کو ہم کیا منہ دکھاتے بدبخت۔۔۔ ذرا دادا جی کی سانس قابو میں آنے دے پھر دیکھنا' ایسی دو چار تگڑی گالیاں دیں گے تجھے کہ عمر بھر یاد رکھے گی۔ ان تگڑی گالیوں کی ہیبت ہی ایسی تھی کہ سلمٰی تو سلمٰی نائلہ بھی تھرا اٹھیں اور اسے چلتا کیا۔

"سلمٰی تو جا اب تیری خبر میں بعد میں لیتی ہوں۔"

"مگر بھابھی۔" مہ پارہ' تماشا اتنی جلدی تمام ہونے کے خیال سے جز بز ہو گئی۔

"مہ پارہ دادا جی کی حالت خراب ہو رہی ہے دفع ہونے دو اسے سنا نہیں سلمٰی تو نے' جا یہاں سے۔"

سلمٰی روتی ہوئی کمرے سے نکلی اور دادا جی کی تگڑی گالیاں' اکھڑتے سانس کی وجہ سے' بے بسی کے ساتھ اندر ہی گھٹ کے رہ گئیں۔ موقع ہاتھ سے نکل جانے پہ وہ اس بری طرح تلملائے کہ انہیلر کی طبی امداد کے بنا ہی ان کی قوت گویائی نے تنفس کے بپھرے دیو کو مات دے دی۔

"میرے ہوتے حویلی میں یہ بے غیرتیاں نہیں چلیں گی' کسی کو نئے رواج نہیں ڈالنے دوں گا۔ آج سلمٰی بھاگی ہے کل یہ بھاگے گی" انہوں نے مہ پارہ کی جانب اشارہ کرکے کہا۔ تو وہ۔ جو ان کی کمر سہلا رہی تھی بڑبڑا کے رہ گئی۔

"لو بھلا۔۔۔ میں کہاں سے آ گئی بیچ میں۔" بدک کے پیچھے ہٹتی وہ بڑبڑائی' نائلہ سے مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔

"ارے بھاگنا ہوتا تو کب کی۔۔۔ ہونہہ۔۔۔" بڑے دادا کی قوت گویائی اب تک تنفس کے بپھرے دیو سے نبرد آزما تھی۔

"کس نے دی ہے اسے شہ؟ اور وہ کمہاروں کا لڑکا۔۔۔" اور دیو غلبہ پا گیا۔

"بس کریں دادا جی۔ آپ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" نائلہ نے آگے بڑھ کے دوبارہ انہیلر ان کے منہ سے لگایا۔

"میں اب اس پہ کڑی نظر رکھوں گی بے فکر رہیں۔" وہ انہیں سہارا دے کر تکیے پہ لٹا رہی تھیں بڑے دادا نے پرسکون ہونے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ یہی وہ لمحہ تھا جب میں اندر داخل ہوا۔

اب میں حویلی آتے ہی سب سے پہلے بڑے دادا کے کمرے میں کیوں گیا۔ ام ہانی کے پاس کیوں نہ بھاگا بھاگا گیا اس کی بھی وجہ تھی۔ جیب میں رکھی چوڑیوں کو تھپکتا میں دبے پاؤں ہانی کے کمرے کی جانب ہی جا رہا تھا کہ بڑے دادا کے کمرے سے تیزی سے نکلتی سلمٰی کو دیکھ کے ٹھٹک کے رک گیا تھا وہ رو رہی تھی۔

"کیا ہوا سلمٰی؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے منہ پہ

ہاتھ رکھا اپنی سسکیاں دبائیں اور یوں ہی آنسو بہاتی بھاگ گئی۔ میرے اندر انتہائی واہیات قسم کے وہم جاگے اور میں بے اختیار بڑے دادا کے کمرے میں داخل ہوا اور پہلی نظر میں ہی کیا دیکھتا ہوں بڑے دادا بالکل بے حس و حرکت سینے پہ ایک ہاتھ رکھے ' بند آنکھوں کے ساتھ لیٹے ہیں امی ان پہ جھکی ہوئی ہیں اور پھوپھو انتہائی بری شکل بنائے' عام حالات میں بنائی جانے والی بری شکل سے بھی کہیں زیادہ بری شکل میں سرہانے کھڑی ہیں میرا دل دھک سے رہ گیا۔

"بڑے دادا۔" میں بے اختیار پکارا تو امی نے پلٹ کے مجھے دیکھا۔

"سعد....."

"یہ کیا ہو گیا امی..... بڑے دادا ہمیں چھوڑ کے کیسے چلے گئے۔" میں واقعی سچ مچ میں دکھی تھا اور بڑے دادا سے لپٹنے آگے بڑھ رہا تھا تو آنکھوں میں آنسو بھی تھے وہ دونوں سٹپٹا کے رہ گئیں۔

"ارے..... ابھی کہاں۔" یہ حسرت میں ڈوبا فقرہ پھوپھو کا تھا۔

"نہیں نہیں سعد..... یہ تو دراصل....." مگر امی کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں بڑے دادا سے لپٹ گیا تھا اور دھاڑیں مار مار کے رونے لگے گا۔

"بڑے دادا....."

"سعد..... پاگل مت بنو بات تو سنو۔" امی نے مجھے کاندھے سے پکڑ کے الگ کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا مگر اب میں نے اپنا سر زور سے بڑے دادا کے سینے پہ پٹخ دیا۔

"بڑے دادا....."

میری اس حرکت سے ان پہ کھانسی کا ایک عظیم الشان دورہ پڑ گیا۔ شاید میرے سر پٹخنے سے ان کی پسلیوں پہ سالوں سے جما بلغم ہل گیا تھا اور میں کرنٹ کھا کے پیچھے ہٹا۔ دہشت بھری نظروں سے امی کو دیکھا پھر پھوپھو کو جو مایوسی سے انکار میں سر ہلا رہی تھیں۔

☼ • ☼ ☼

فضا میں ام ہانی کی ہنسی' قوس قزح کی طرح پھوٹ پڑ رہی تھی اور میں ذرہ ذرہ رنگ سمیٹ رہا تھا۔

"بدھو..... تمہیں اتنا بھی احساس نہیں ہوا کہ بڑے دادا....." وہ پھر سے کھلکھلا اٹھی۔

"ہاں اور خود تو جیسے بڑی توپ شے ہو ناں..... ڈھنگ سے بھگا تک نہیں سکیں سلمیٰ کو۔" ہم دونوں کھنڈر کی ایک ٹوٹی ہوئی منڈیر پہ ٹانگیں لٹکا کے بیٹھے تھے۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ سلمیٰ کو بھگانے میں میرا ہاتھ ہے۔"

"کیوں کہ وہ بے چاری پکڑی گئی تھی۔ یہ تم ہو ہنی جس کا ہر کام ایسا ہی ہوتا ہے..... کچا۔"

"مطلب میں کچھ نہیں کر سکتی؟" وہ برا مان گئی۔

"کر سکتی ہو..... مگر میرے بغیر نہیں ..... دیکھ لینا ..... تمہارے جس فیصلے میں 'جس کام میں' میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا وہ کبھی پورا ہی نہیں ہو گا۔" میرے وثوق سے کہنے پہ اس کی ناراضی اور بڑھ گئی۔

"ہونہہ اپنے قابل تو ہو جاؤ پہلے بڑے آئے میرے استاد بننے۔" وہ اتر کے جانے کو تھی کہ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ تو لے لو۔ تمہاری منت کی چوڑیاں۔" وہ رک گئی اور میں اسے پہنانے لگا۔ سارا دھیان تو اس کے چہرے پہ تھا خاک پہنائی جاتیں۔

"خود تو جیسے ہر کام صحیح کرتے ہو۔ دو چوڑیاں تک نہیں پہنائی جا رہیں..... لاؤ..... مجھے دو' خود پہنتی ہوں۔" وہ میرے ہاتھ سے لے کر خود پہننے لگی۔

"اف تنگ ہیں یہ تو بدھو۔" زور لگا کے آگے کرتے ہوئے ایک چوڑی کھٹ سے ٹوٹ گئی وہ افسوس سے نیچے گری چوڑی کو دیکھ رہی تھی اور مجھے جتانے کا موقع مل گیا۔

"دیکھا..... میں نے کہا تھا نا کہ میرے بغیر جو کرو گی وہ غلط ہو گا۔"

"یہ تو ٹوٹ گئی سعد..... منت کی تھی اب پتا نہیں



میری مراد پوری ہو گی یا نہیں۔"

"ایک ٹوٹی ہے دوسری تو ہے یوں سمجھو آدھی مراد پوری ہو گی یعنی کچھ ملے گا کچھ نہیں۔" میں نے کچھ زیادہ ہی بے ڈھب سی تسلی دے ڈالی جس پہ وہ کچھ دیر عجیب سی نظروں سے مجھے گھورتی رہی۔

"کھیلو گی نہیں آج' کافی دن ہو گئے۔"

اور ہمیشہ کی طرح میں اس کا دھیان' اپنی اونگی بونگی سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا کچھ دیر بعد وہ کمر پہ دوپٹا کسے' چپل ایک طرف اتارے' زمین پہ کوئلے سے لکیریں کھینچے' کھیلنے کو تیار تھی۔ پتھر کو ہونٹوں سے لگا کے چومتے ہوئے اس نے ہوا میں اچھالا۔

"سعد..... تم ہار جاؤ گے۔" اور پھلانگ کے ایک خانہ عبور کیا۔

"ہار تو چکا ہوں۔ بہت پہلے....." میں نے بھی اگلا خانہ پھلانگا اور جیسے ہی وہ پلٹ کے دوسرے خانے میں آنے لگی۔ میں زقند بھر کے اسی خانے میں تھا مجھ سے ٹکرا کے وہ گرنے کو تھی کہ میں نے اس کی کلائی زور سے تھام کے اسے گرنے سے روک لیا۔

"ارے۔ چھوڑو بدھو..... ایک ہی چوڑی بچی ہے وہ بھی توڑو گے کیا؟"

"ویسے یہ اچانک شادی کی منت..... خیریت؟" میں نے مسکراتے ہوئے ٹٹولنا چاہا' وہ میرا سوال ٹالتے ہوئے جلدی جلدی کمر سے دوپٹا کھول کے چپل پہننے لگی۔

"بس بہت ہو گئی باتیں اور کھیل' گھر چلو شام ہونے والی ہے۔ پھوپھو ڈانٹیں گی۔"

"ارے..... کہیں تم نے پھوپھو کی شادی کی منت تو نہیں مانی تھی ان سے جان چھوٹ جائے اس لیے۔"

"بدھو..... اپنی شادی کی منت وہ خود مانیں مجھے کیا پڑی ہے۔ میں نے تو اپنی شادی کی مانی ہے۔"

وہ محبت سے کلائی میں موجود واحد کالی چوڑی کو سہلا رہی تھی اور میں ساتویں آسمان پہ اڑ رہا تھا' جھک کر میں نے زمین سے کوئلہ اٹھایا اور دیوار پہ اپنا اور اس کا نام لکھنے لگا۔

"اب یہ کیا کر رہے ہو آج تو ہمارا کوئی جھگڑا ہوا نہ صلح۔"

"بس دل کر رہا ہے لکھنے کو..... سوچو ہنی' یہاں کے کونے کونے پہ ہمارا نام لکھا ہے' آج سے نہیں کئی سالوں سے اور ہمیشہ لکھا رہے گا جب..... جب....." میں ذرا اسارکا پھر ہمت کر کے روانی سے کہہ گیا۔

"جب ہم شادی کے بعد یہ دیکھیں گے تو ہمیں کیسا لگے گا؟" کہہ تو دیا مگر پھر ڈر سا گیا نجانے اس کا رد عمل کیا ہوا' مگر میری توقع کے برعکس وہ نہ بگڑی' نہ شرمائی' نہ حیران ہوئی' نہ ناراض الٹا کھلکھلا کے ہنس پڑی۔

"شادی کے بعد؟"

"ہاں۔" اس کی ہنسی نے مجھے دلیر کر دیا۔

"بدھو..... یہ مت سوچو کہ ہمیں کیسا لگے گا۔ یہ سوچو کہ میرے شوہر کو کیسا لگے گا۔"

"شوہر؟" پہلی بار اس کی کھلکھلاہٹ مجھے نیزے کی طرح چبھی تھی۔

"اور کیا..... شوہر تو شوہر ہوتا ہے' اپنی بیوی کا نام کسی اور کے نام کے ساتھ کیسے دیکھ سکتا ہے۔ اب اسے تھوڑا ہی پتا ہو گا کہ تم میرے بچپن کے دوست ہی نہیں میرے سائے ہو' وہ تو کچھ بھی سوچ سکتا ہے ویسے بھی یہ جگہ صرف اور صرف ہماری ہے اسے تو میں کبھی یہاں لاؤں گی ہی نہیں۔"

"اسے؟" کسی اندھے کنویں میں سے نکلی تھی میری آواز.....

"کس کو؟"

"سالار کو اور کس کو..... اسی سے شادی کے لیے تو یہ منت مانی ہے میں نے۔"

کاش وہ اس وقت میرا بے رنگ چہرہ' بے روح وجود اور دھندلی ہوتی آنکھیں دیکھ پاتی تو مجھے کچھ کہنے اور اسے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی لیکن اس سے پہلے کہ وہ میری آنکھوں کی پتلیوں میں جمع ہوتا نمکین پانی دیکھ پاتی' آسمان سے گرتی پانی کی بوندوں نے اس کا دھیان کھینچ لیا۔

"ارے بارش شروع۔" اس نے سراسیمہ سی

ہو کے آسمان کی جانب دیکھا اور میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچتی آگے کو چلنے لگی۔

"جلدی چلو۔۔۔ تیز ہو جائے گی۔"

میں کسی بے جان شے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ گھسٹ رہا تھا۔ بارش تیز ہو چکی تھی اور ام ہانی کے قدموں کی رفتار بھی۔ اور۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ میری آنکھوں سے بہتے آنسو بھی مگر وہ بارش کی بوندوں کے ساتھ مل گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہاں اب بھی سلمٰی کا مقدمہ جاری تھی۔ مہ پارہ آسانی سے جان بخشی کرنے والی مخلوق تھی ہی نہیں۔

"کمہاروں کا لڑکا ایسا بھی کوئی گلفام نہیں جس کے لیے تم مچل کے بھاگ گئیں۔ ویسے تو خیر تم بھی کوئی حور پری نہیں۔ پتا نہیں پھر اس احمق نے تمہارے لیے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی۔"

"محبت کرتا ہے جی وہ مجھ سے" وہ اکڑوں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

"اوفوہ۔۔۔ محبت۔۔۔" مہ پارہ حسد سے سلگ سلگ اٹھی۔

"کتنی محبت کر بیٹھا ہے آخر' بتا دو شاباش! تاکہ اگر ضرورت سے زیادہ کر بیٹھا ہے تو اس کے کسی غلط نتیجے سے پہلے ہی تمہیں یہاں سے چلتا کر دیا جائے۔"

اس نئے کچوکے پر چادر سے ناک سڑکتی سلمٰی تڑپ گئی۔

"نہ جی۔۔۔ ایسے نہ کہیں۔۔۔ بڑی پاک محبت ہے ہماری۔"

"ہاں' ہاں۔۔۔ بہت پاک۔ باوضو ہو کے بھاگی تھی تم۔" تب ہی مہ پارہ کی نظر بھیگی بھیگی سکڑی سمٹی سی ام ہانی پہ گئی جو اندر داخل ہوتے ہی ان کی نظر سے بچنے کی کوشش کرتی دائیں جانب مڑنے کو تھی۔

"یہ وقت ہے تمہارے گھر لوٹنے کا۔" اس کے پیر وہیں جم گئے۔

"اور یہ حالت ہے؟ تم بچی نہیں ہو ام ہانی تمہیں احساس ہونا چاہیے کہ جن لڑکیوں کے سر پہ ماں باپ کا سایہ نہ ہو ان کو عام لڑکیوں کی نسبت زیادہ محتاط ہو کر رہنا پڑتا ہے۔"

"تو کیا میں عام لڑکی نہیں ہوں؟" وہ دکھ سے چور لہجے میں بولی۔

"نہیں نہیں۔۔۔ تم تو بہت خاص ہو۔۔۔ آسمان سے اتری ہوئی۔۔۔ تمہارے لیے تو سب جائز ہے حویلی کے سب گلے سڑے اصول تو میرے لیے ہی رہ گئے تھے۔"

ابھی نجانے مہ پارہ نے کتنے اور تیر نکالنے تھے کہ نائلہ وہاں آگئیں سلمٰی کو ہاتھ کے اشارے سے کھسکنے کا کہا اور ام ہانی کو بھی جواز فراہم کیا۔

"ابھی تک ایسے بھیگی کھڑی ہو بیمار ہو جاؤ گی ہانی' جاؤ جلدی سے کپڑے بدلو۔" سلمٰی کے پیچھے پیچھے ام ہانی بھی کھسک گئی۔

"آپ اسے بگاڑ رہی ہیں بھابھی۔"

"میں نہیں۔۔۔ زیادہ سختی اور روک ٹوک بگاڑتی ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں بہت بگڑی ہوئی ہوں پھر کیوں؟ بیالیس سال سے ساری سختیاں اور روک ٹوک سہ رہی ہوں اماں' ابا' دادا جی' بھائی صاحب سب کی اور ایک یہ ہے سب ہی اس کے ہمدرد اور وہ سب سے بڑا آپ کا چہیتا سعد' جو بچپن سے ہی اس کے سامنے ڈھال بن کے کھڑا ہو جاتا تھا۔"

اور وہ ڈھال۔۔۔ یعنی میں۔۔۔ سعد رضوان اس وقت اپنے کمرے میں نڈھال پڑا تھا' رہ رہ کے ہانی کے وہ الفاظ ذہن میں گونج رہے تھے۔

"سالار۔۔۔ اسی سے شادی کی منت مانگی ہے میں نے۔"

نجانے کب رات بیتی' کب صبح ہوئی' میں اسی حالت میں بیڈ پہ پڑا خود کو بہلاتا رہا ام ہانی نے مذاق کیا ہو گا۔ لیکن پھر۔۔۔ پھر یہ خوش گمانی پاش پاش ہو جاتی جب اس کے الفاظ دوبارہ بازگشت بن کے گونجتے میں اس کے لہجے کے سب ڈھنگ پہچانتا تھا۔ جان جاتا تھا۔ کب وہ مذاق کر رہی ہے۔ کب جھوٹ کہہ رہی ہے اور کب سچ اور یہ الفاظ بے رحمانہ حد تک سچے تھے۔

دروازہ کھلا تو روشنی سے بچنے کے لیے میں نے بازو موڑ کے آنکھوں پہ رکھ لیا۔

"عجیب لڑکے ہو تم۔۔۔ نہ تمہارے آنے کا پتا چلتا ہے نہ جانے کا۔"

یہ امی تھیں۔۔۔

"توبہ۔۔۔ شوز کے ساتھ سو گئے' آخر ہاسٹل سے آنے کے بعد تم سارا دن تھے کہاں اور یہ روم کا کیا حال کر دیا ہے ایک ہی رات میں' پتا نہیں ہاسٹل میں کیا کرتے ہو گے۔ کون سمیٹتا ہو گا تمہاری چیزیں۔"

میں نے بازو ذرا سا ہٹا کے آنکھوں کی جھری سے دیکھا۔ وہ یہاں وہاں بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔ مجھے جاگتا پا کے فوراً "اصل سوال" پوچھ ڈالا۔

"سنو۔۔۔ یہ تم کل شام کو ام ہانی کو کہاں سے لے کر آرہے تھے؟"

"باہر سے؟" میں نے بازو آنکھوں سے نہ ہٹایا۔

"وہ تو مجھے بھی پتا ہے۔" وہ جھنجلا کے کہتیں اب میرے برابر بیٹھ گئیں اور میرا بازو پکڑ کے چہرے سے ہٹایا' کافی سنجیدہ لگ رہی تھیں۔

"رات کو میں نے مہ پارہ کی بک بک سے گھبرا کے بات دبا دی مگر فکر مجھے بھی ہے۔ پہلے اسکول سے سیدھی گھر آتی تھی' اب شام ڈھلے نجانے کہاں ہوتی ہے۔ ڈر تو لگتا ہے ناکہ کچھ ایسا ویسا نہ ہو۔۔۔ تم اس کے بہت قریب ہو ہر بات تم سے کہہ دیتی ہے ذرا پتا کرو اس کے دل میں کیا ہے۔"

"میں نہیں ہوں۔"

میں نے دوبارہ کہنی موڑ کے آنکھیں ڈھانپ لیں اور امی چڑ کے اٹھ گئیں۔

"توبہ۔۔۔ قسم کھا رکھی ہے ہر بات کا الٹا جواب دینے کی۔" ان کے جاتے ہی میں نے آنکھیں کھولیں چند لمحے چھت کو گھورنے کے بعد میں اٹھا اور جلدی جلدی اپنے مختصر سے سفری بیگ میں دو چار کپڑے ٹھونسے اور جانے کے لیے نکلا۔

"سعد۔۔۔" راہ داری کا موڑ مڑتے ہی مجھے اس کی آواز سنائی دی تو میں نے قدموں کی رفتار کچھ اور بڑھالی۔

"رکو سعد۔۔۔ تمہیں کچھ بتانا ہے بلکہ دکھانا ہے۔" وہ پکارتی ہوئی پیچھے چلی آرہی تھی۔

"مجھے نہ کچھ سننا ہے' نہ دیکھنا ہے۔"

"بدھو۔۔۔ اندر سے تو مر رہے ہو گے۔ سالار کو دیکھنے کے لیے۔"

"اسے تو میں دیکھ لوں گا۔" میں مڑا اور دانت کچکچا کے اسے گھورتے ہوئے کہا' اس نے جھٹ سے ایک تصویر آگے کر دی اور میری آنکھوں کے آگے جیسے اندھیرا چھا گیا۔

"دیکھو۔ یہ ہے سالار۔" میں نے نظر ہٹا کے کہیں اور لگانی چاہی اور وہ اس کے اسی ہاتھ پہ ٹھہر گئی۔ جس میں اس نے تصویر تھام رکھی تھی اور اس ہاتھ کی کلائی میں موجود وہ واحد منت کی سیاہ چوڑی۔۔۔

"اچھا ہے نا۔" مگر اس کے اشتیاق سے پوچھے سوال کو نظر انداز کر کے میں نے اس کی کلائی تھامی اور چوڑی کو ناگواری سے گھورنے لگا۔

"یہ منت ماننا۔۔۔ چڑھاوے۔۔۔ دربار۔۔۔ وغیرہ سب کفر اور شرک ہے نری جہالت۔"

"ارے میں تمہیں سالار کی تصویر دکھا رہی ہوں اور تم۔۔۔ اور پھر وہ سٹ پٹا اٹھی جب میں اس کی چوڑی اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔

"یہ کیا کر رہے ہو ہٹو پرے۔" اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچا خود بھی پیچھے ہٹ گئی۔

"خود ہی تو لائے تھے تب کفر اور جہالت نہیں تھی۔"

"تب مجھے کیا پتا تھا کہ تم۔۔۔"

میں نے ایک بار پھر اس کی کلائی جھپٹنا چاہی۔ وہ بڑبڑا کے مزید پیچھے ہٹی اور تصویر اس کے ہاتھ سے نیچے جا گری۔ پیر پٹختا ہوا میں پھر سے آگے بڑھ گیا وہ جھک کے تصویر اٹھاتے اٹھاتے رکی اور دوبارہ میرے پیچھے

لگی۔

"سعد۔۔۔ اتنی جلدی واپس کیوں جارہے ہو؟ اور سنتے کیوں نہیں؟ ہوا کیا ہے؟"

تصویر وہیں گری کی گری رہ گئی۔ نجانے کب دوبارہ پھوپھو وہاں آئیں اور تصویر اٹھا کے غور سے دور جاتی ام ہانی کو دیکھا جو میرے پیچھے پیچھے منت کرتی آرہی تھی۔ آخر اس نے میرا بازو پکڑ کے مجھے روک ہی لیا اور میرے سامنے آکھڑی ہوئی۔ راستہ روکتے ہوئے۔

"اتنا غصہ۔۔۔؟ اتنی دور سے مجھ سے ملنے اس لیے آئے تھے کہ یوں ناراض ہو کے اچانک چلے جاؤ گے۔" وہ ہانپتی سانسوں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں تم کس لیے ناراض ہو کہ میں نے تمہیں سالار کے بارے میں پہلے کیوں نہیں بتایا۔ قسم سے۔۔۔ میں بتانے ہی والی تھی کہ تم آگئے اور ویسے بھی کچھ دن پہلے ہی تو میں ملی ہوں ان سے۔"

"کچھ دن پہلے ملی اور وہ اتنا خاص ہو گیا تمہارے لیے؟"

"وہ ہیں ہی ایسے۔۔۔" میرے لہجے سے جھلکتے حسد' آنکھوں سے ٹپکتے گلے کو محسوس کیے بنا وہ مسکرا رہی تھی۔

"بالکل ایسے 'جیسا میں نے سوچا تھا بلکہ جیسا کوئی بھی لڑکی سوچ سکتی ہے۔ بہت لوونگ کیئرنگ۔۔۔ اتنے ڈیشنگ اور گریس فل۔"

میرے اندر اور شعلے بھڑک اٹھے اس بار جو میں نے رفتار پکڑی تو وہ میرا پیچھا نہ کر سکی نہ میں اس کے پکارنے پر رکا۔ میں یہ تک نہ جان سکا کہ میرے جاتے ہی مہ پارہ پھوپھو نے اسے کٹہرے میں کھڑا کرکے کیا کچھ کہا۔

☼ ☼ ☼

وہ سہمی ہوئی دیوار سے چپکی کھڑی تھی۔ مہ پارہ تصویر ہاتھ میں لیے اس کے سامنے لہرا لہرا کے دکھا رہیں اور چلا رہی تھیں۔

"اچھا۔۔۔ تو یہ گل کھلائے جارہے ہیں اس سے عشق کی پینگیں بڑھائی جارہی تھیں۔ سارا سارا دن اس لیے گھر سے غائب رہتی تھی۔"

ام ہانی نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ اور ہمت دونوں ساتھ چھوڑ چکے تھے' وہ فقط انکار میں سرہلا کے رہ گئی اور مدد طلب نظروں سے نائلہ کو دیکھا جن کے چہرے پہ گہری سوچ اور تشویش کے سائے تھے' مگر نجانے کیوں وہ اب تک چپ تھیں۔

"پتا نہیں اور کیا کیا کرتی رہی ہو۔ اسکول میں پڑھانے کے بہانے۔"

"مجھے اس سے بات کرنے دو مہ پارہ۔" بالآخر نائلہ آگے بڑھیں۔

"اب بات کرنے کو رہ کیا گیا ہے بھابھی۔ اس لیے آپ سے کہتی تھی کہ کھلی چھوٹ نہ دیں اسے۔۔۔ دیکھیں۔۔۔ لگا دیا نہ بٹا کب سے ہماری عزت سے کھیل رہی ہے۔ بتاؤ سیدھی طرح۔۔۔ کیا کالک تھوپ چکی ہو اب تک۔۔۔ پھوٹو منہ سے۔۔۔ کہیں چکما دے کر فرار تو نہیں ہو گیا؟"

ام ہانی کی گردن مسلسل انکار میں ہل رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"شادی کرے گا تم سے؟"

پہلا سوال ہی جو نائلہ نے اس سے کیا وہ اتنا اچانک تھا کہ مہ پارہ فوری طور پر حیرت اور ناگواری تک کا اظہار نہ کر سکیں اور ایک تواتر کے ساتھ انکار میں گردن ہلاتی ام ہانی پھر سے انکار میں سرہلانے لگی اور جب احساس ہوا تو کہہ اٹھی۔

"جی۔۔۔ کریں گے۔"

"ہونہہ۔۔۔ کرتا ہے ابھی اس سے شادی۔۔۔" مہ پارہ کے تو آگ ہی لگ گئی۔

"اس جیسے لفنگے صرف جھانسہ دیتے ہیں پتا نہیں کون راہ چلتا ہے جو۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ وہ ایسے نہیں ہیں۔"

سالار کی ذات پہ ایسے رکیک جملے ام ہانی کی قوت گویائی واپس لوٹ آئی۔

"وہ بہت اچھے ہیں۔۔۔ بہت اچھی فیملی کے اور کمشنر ہیں یہاں کے۔"



مہ پارہ کے لیے تو جیسے اب ہر جانب سناٹا ہی سناٹا تھا البتہ نائلہ کے چہرے کی تشویش کم نظر آرہی تھی۔

"ٹھیک ہے رضوان سے میں نے خاصی تعریف سنی ہے اس نئے کمشنر کی۔۔۔ میں ان سے بات کرتی ہوں تم اس سے کہو کہ طریقے سے رشتہ بھیجے شریفوں کے ہاں یہ سب نہیں چلتا۔"

"مگر بھابھی۔۔۔ خاندان۔۔۔ برادری۔۔۔" سکتے سے نکلتے ہوئے مہ پارہ نے بہت سے عذر گنوانا چاہے جس کو نائلہ نے فقط یہ کہہ کر رد کر دیا۔

"اپنا حال دیکھو مہ پارہ۔۔۔ میں اسے دوسری مہ پارہ نہیں بننے دوں گی۔"

☼ ☼ ☼

"بتاتے کیوں نہیں ہوا کیا ہے؟" وہاں ام ہانی تھی تو یہاں شعیب جس کے سوال مجھے تپا رہے تھے۔

"تم نے تو رات کو آنا تھا میں انتظار کرتا رہا' آئے کیوں نہیں؟"

"رات کو میں مر گیا تھا۔" بہت دیر بعد میں کچھ بولا تو بس یہ۔۔۔

"کیا؟"

"تم ٹھیک کہتے تھے شعیب کبھی کبھی جدائی کچھ نہیں کہتی قربت مار دیتی ہے' وہ مجھ سے دور تھی تو دل کو تسلی تھی کہ وہ میری ہے' ملا تو پتا چلا کہ وہ تو کب کی کسی اور کی ہو گئی ہے۔"

"اوہ۔۔۔"

اور پھر میں نے اسے سب بتا دیا۔ دل پھٹا پڑ رہا تھا کسی سے تو کہنا تھا۔۔۔ کہیں تو فریاد کرنا تھی۔۔۔ کسی کو تو بتانا تھا۔۔۔ جو مجھ پہ گزری۔

"اور تم میدان چھوڑ کر آگئے؟" سب جاننے کے بعد بجائے مجھ سے ہمدردی کرنے کے وہ طعنے دینے لگا۔

"بزدل۔۔۔ بھگوڑے۔"

"میدان اور ہوتا ہے شعیب۔۔۔ دل کی سرزمین اور۔۔۔ یہاں فتح کے جھنڈے وہی گاڑتا ہے جس کا نصیب ہو۔"

"تم نے اپنا نصیب پڑھا ہے کیا؟ کیا پتا اس میں کیا لکھا ہے۔ سعد تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ وہ اس شخص سے صرف متاثر ہے۔"

"وہ عام لڑکیوں جیسی نہیں ہے جو کسی سے متاثر ہو جائے۔"

"لیکن اس نے تم سے یہی کہا کہ سالار ویسا ہی ہے جیسا ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے تو میرے دوست وہ خواب ہے۔۔۔ اسے خواب ہی بنا ڈالو۔۔۔ ایسا خواب جو کبھی پورا نہیں ہوتا۔"

"مگر کیسے؟" میں نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"گو بیک اینڈ فائٹ"

"فائٹ!" میں حیران رہ گیا اس عجیب و غریب مشورے پہ۔

"یہ جنگ ہے کیا؟"

"یہی سمجھ لو۔۔۔ کوشش تو کرو سعد یہ نہ ہو کہ بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے کہ تم نے آسانی سے اسے کسی اور کا ہونے دیا اور تم نے سنا تو ہوگا کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے تو تمہارے لیے یہ محبت بھی ہے اور جنگ بھی۔"

عمر ایسی تھی کہ میں اس کی باتوں پہ غور کرنے پہ مجبور ہو گیا اس عمر میں اندازہ کہاں ہوتا ہے کہ محبت کو جنگ کے خون سے آلودہ کرنا کیسا ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

اور اسی رات نائلہ نے رضوان کو بھی یہ خبر سنا دی۔ وہ کسی قسم کی تاخیر نہیں چاہتی تھیں اور رضوان کا بھی پہلا سوال وہی تھا جو مہ پارہ کا تھا۔

"اگر آپ اسی زمیندارانہ اور جاگیردارانہ ذہن سے سوچیں گے تو پلیز رضوان آپ پڑھے لکھے باشعور انسان ہیں۔"

"میں روشن خیال سہی' مگر فیصلے کا حق ابھی بھی دادا جی کے ہاتھ میں ہے۔"

"ہاں جس حق کا وہ غلط استعمال کر رہے ہیں دیکھیں'

اسی روایت کی وجہ سے مہ پارہ بیٹھی رہ گئی۔ اب بتائیں ام ہانی کے لیے خاندان میں دور دور تک ہے کوئی اس کے جوڑ کا؟ ایسے میں یہ رشتہ نعمت ہے اسے ٹھکرا کے کفران نعمت نہ کریں کسی کو تو پہلا قطرہ بننا ہے نا۔"

ان کے سمجھانے بجھانے پہ رضوان اگلی ہی صبح ہمت کر کے داداجی کے سامنے یہ معاملہ رکھ بیٹھے، رد عمل ان کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"ہوئے کمشنر ہوئے گا تے اپنے گھر ہوئے گا۔" وہ اس بری طرح دھاڑے کہ کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ رضوان اٹھ کے ان کا سینہ سہلانے لگے۔

"گھر پہ نہیں داداجی یہیں لگا ہوا ہے کمشنر۔"

"کھوتے دا پتر۔ ادھر افسری کرنے آیا ہے کہ شریفوں کی حویلی تاکنے۔" وہ کھانستے کھانستے بھی خبر لے رہے تھے۔

"میں نے سنا ہے یہ سرکاری افسر بڑے عیاش ہوتے ہیں۔" مہ پارہ نے پھلجھڑی چھوڑی جسے رضوان نے فوراً" جھٹلا دیا۔

"وہ ایک سلجھا ہوا میچور، شریف انسان ہے۔"

"ہوتا پھرے۔" داداجی نے ہاتھ ہلایا۔

"بس میں نے کہہ دیا خون میں ملاوٹ نہیں کرنی۔"

"وہ تو ہو چکی ہے داداجی۔" رضوان بھی شاید کچھ ٹھان کے بیٹھے تھے یہاں۔

"مت بھولیں کہ ام ہانی کی مرحومہ ماں کا تعلق ہمارے خاندان اور ذات سے نہیں ہے۔ سلیمان نے آپ کی مخالفت کے باوجود اس سے شادی کی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تو اس وقت بھی ان فرسودہ رسموں و رواجوں کی خلاف تھا۔ آج اگر زندہ ہوتا تو ایک بار پھر آپ کے سامنے ڈٹ جاتا اپنی بیٹی کے لیے۔"

"یہی تو ہے خون میں ملاوٹ کا اثر۔" مہ پارہ نے پھر سے نخچے تیز کیے۔

"آخر نکلی نا اسی ماں کی بیٹی، جس نے کورٹ میرج کی تھی۔" یہ بات رضوان کو بری طرح کھلی۔

"مہ پارہ۔۔۔ وہ میری بھی بیٹی ہے اور میں اس کے بارے میں ایسے الفاظ برداشت نہیں کروں گا۔"

"آہو۔۔۔ میں تو کچھ ہوں ہی نہیں۔"

داداجی نے اب اموشنلی بلیک میل کرنا چاہا۔

"ہڈیو کی مٹھ۔۔۔ میری کیا اوقات جواب کوئی مجھے پوچھے۔"

"ایسی بات نہیں ہے داداجی۔۔۔ آپ ہی تو ہمارے بڑے ہیں۔ آپ کی اجازت اور مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر میری طرف سے صاف انکار۔"

داداجی کے کہنے پہ مہ پارہ اطمینان سے مسکرا دی اور رضوان نے بے بسی سے داداجی کے حتمی فیصلے کے بارے میں نائلہ کو آگاہ کر دیا۔

"ارے ایسے کیسے صاف انکار۔۔۔ بنا ملے؟ آپ زور دیں ان پہ۔"

"کیسے زور دوں؟ کتنا زور دوں؟ اور کس برتے پہ؟ ابھی تک باقاعدہ رشتہ بھی تو نہیں آیا نائلہ۔"

"اور رشتہ آگیا اور داداجی نے ان کے سامنے اپنا صاف انکار دہرا دیا تو؟ رشتہ آنے سے پہلے ان کی ضد ختم کرنا ہو گی۔"

"اچھا۔۔۔ بالفرض میں ایسا کر بھی دوں اور اس کے بعد ہی رشتہ نہ آیا تو؟" اس پہ نائلہ چپ کر گئیں کچھ سوچا اور ام ہانی کے پاس چلی آئیں۔

"ہانی تمہارے چچا سے میں نے اور انہوں نے دادا جی سے بات کر لی ہے جیسے میں نے رضوان کو منا لیا ہے وہ بھی داداجی کو منا ہی لیں گے مگر اب تمہیں بھی کچھ کرنا ہو گا۔"

"مجھے؟ میں کیا کر سکتی ہوں بڑی امی۔" وہ کرنے سے پہلے ہی ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھی۔

"ایک تو سالار کو کل ہی رشتہ لانے کا کہو اور دوسرا یہ کہ داداجی کے سامنے ڈٹ جاؤ جب وہ تم سے تمہاری مرضی پوچھیں تو شرمانے، جھجکنے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صاف بتا دینا کہ اس میں تمہاری مرضی اور خوشی شامل ہے اور تمہیں بس یہیں شادی کرنی ہے۔"

"میں؟ میں کہوں یہ؟ داداجی سے؟" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اور کون کہے گا! دیکھو ہانی۔۔۔ میں تمہاری ماں نہیں ہوں، مگر کچھ تو لگتی ہوں، ہمدرد ہوں تمہاری، تمہیں غلط مشورہ نہیں دوں گی۔ آج تم نے اپنے حق کے لیے آواز نہ اٹھائی تو اپنی پھوپھو کی طرح ہمیشہ کے لیے۔۔۔ تم سمجھ رہی ہو نا۔"

وہ اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کے نرمی سے اس کا شانہ دبا کے چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

"کچھ کہنا چاہتی ہو؟" وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ دور کسی ٹیلے پہ بکریاں لے جاتے چرواہے کو۔۔۔ مگر اپنے برابر کھڑی ام ہانی کے چہرے کو وہ بنا دیکھے پڑھ سکتا تھا۔

"جی۔"

"تو کہو۔" اب سالار گھوم کے اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"وہ۔۔۔ گھر میں۔۔۔" ہچکچاتے ہوئے اس نے کہنا چاہا بڑی امی کی خاص تاکید جو تھی اسی لیے صبح ہوتے ہی وہ ملنے چلی آئی تھی۔

"گھر میں سب کو آپ کے اور میرے بارے میں علم ہو گیا ہے۔"

"گڈ۔۔۔ اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے، یہ تو ہونا ہی تھا۔" وہ پرسکون تھا۔ ام ہانی اور بھی الجھ گئی اب بھلا اس سے زیادہ صاف الفاظ میں کیا کہے۔

"جی۔۔۔ وہ تو ہے، مگر۔۔۔ اب۔۔۔ اب آپ کچھ کریں۔"

"کیا کروں؟" نجانے وہ واقعی اتنا انجان تھا یا بن رہا تھا۔

"اپنے گھر والوں سے کہیں۔" یہ بات کہتے ہوئے اسے لگا اس کی زبان من بھر بھاری ہو گئی تھی۔

"گھر بتاتا ہے ابھی۔۔۔ جب تم گھر والی ہو گی۔" سالار کو اس کی الجھن۔۔۔ اس کی جھجک شاید لطف دے رہی تھی۔

"میرا مطلب ہے آپ کی فیملی۔۔۔" اس کا چہرہ گلگوں ہو گیا تھا۔

"وہ تو تم بناؤ گی۔"

"سالار۔۔۔" اب مارے حیا کے وہ رونے والی ہو گئی۔

"میں آپ کے پیرنٹس کی بات کر رہی ہوں۔"

"وہ نہیں ہیں۔" سالار نے سگریٹ سلگایا۔

"اوہ۔۔۔ تو۔۔۔ تو کوئی تو ہو گا۔" ام ہانی کو اپنی لاعلمی پہ حیرت ہو رہی تھی۔ اتنے دنوں میں وہ سالار کے بارے میں یہ تک نہ جان پائی تھی۔

"ہاں اماں ہیں۔" وہ اطمینان سے کش لگا رہا تھا اور ہانی حیران رہ گئی۔

"مگر۔۔۔ ابھی تو۔۔۔ ابھی آپ نے کہا کہ آپ کے پیرنٹس۔۔۔ تو کیا وہ اسٹیپ مدر ہیں؟"

"نہیں۔ اصلی والی ہیں۔" اب کے ام ہانی سچ میں جھنجلا اٹھی۔

"آپ گھما پھرا کے بات کیوں کرتے ہیں۔ بس آپ انہیں بھیجیں اپنے لیے۔"

"وہ کبھی اپنے لیے کچھ نہیں کر سکیں تو میرے لیے کیا کریں گی، جو کرنا ہے مجھے کرنا ہے اور وہ میں کر لوں گا ڈونٹ یو وری۔۔۔"

"تو پھر آپ کل آجائیں۔" اس کی ہمت بڑھ گئی۔ سکون سا آگیا۔

"بڑی امی کہہ رہی تھیں آپ کو کل پرسوں ہی بڑے ابا سے بات کرنا ہو گی تو کل آئیں گے نا آپ؟"

"نہیں۔" سالار نے سگریٹ نیچے پھینک کر جوتے سے مسلا۔

"مگر۔۔۔ کیوں؟" اگلے ہی پل وہ اسے پھر سے حیرت میں ڈال چکا تھا۔

"ایسے تو میں کبھی بھی کسی سے ملنے نہیں گیا۔ انہیں Proper طریقے سے مجھے انوائٹ کرنا چاہیے۔"

"انوائٹ؟ سالار... ایسے تھوڑا ہی ہوتا ہے کوئی کسی سے یہ نہیں کہتا کہ آیئے اور آکے ہماری بیٹی کا رشتہ طے کریں۔ آپ کو جانا ہی ہوگا سالار... ان سے میرا ہاتھ مانگنے۔"

"مانگنے؟ سوری... مگر میں نے آج تک کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔" سالار کے خشک لہجے پہ ہانی کو دھچکا سا لگا۔

"میں "کچھ" تو نہیں ہوں۔"

"ہاں... مگر "سب کچھ" بھی نہیں ہو۔" وہ مسلسل اسے بے یقینی کے سمندر میں غوطے دے رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اسے دکھ سے دیکھتی رہی۔

"اور مجھے لگا میں... میں آپ کے لیے یعنی آپ نہیں آئیں گے؟"

اس کے لہجے میں مایوسی مگر آنکھوں میں ابھی ابھی امید کی ہلکی سی جوت تھی اور سالار اس سے رخ پھیرے ایک بار پھر ٹیلے کی جانب دیکھتا دوسرا سگریٹ سلگا رہا تھا۔ چرواہا بکریاں لے کر کب کا جاچکا تھا۔ ہانی کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔

"ٹھیک ہے۔" اس کا لہجہ گیلا ہوتا محسوس کرکے سالار نے اس کے چہرے پہ نظر ڈالی۔

اور ان آنکھوں کے آنسو...

وہ پگھل گیا۔

موم ہو کے بہہ گیا اور اس کا ہاتھ تھام کے نرمی سے کہنے لگا۔

"اوکے... آجاؤں گا۔ مگر یہ امید نہ رکھنا کہ میں ان سے ریکویسٹ بھی کروں گا۔" سالار کے حامی بھرنے پہ بھی ہانی کے اندر دوبارہ امید نہ جاگی۔ اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔

"ہاں... آپ کیوں کریں گے۔ وہ بھی میرے لیے... میں تو کچھ بھی نہیں ہوں... نہ آئیں بے شک... ایسے تھوڑا ہی مانیں گے بڑے دادا۔"

اس کے آنسو جھل جھل بہہ نکلے اور وہ تب سے اپنا ہاتھ سالار کے ہاتھ سے نکالنے کی مسلسل کوشش میں بھی تھی۔ اس کے آنسوؤں کو بے خودی سے تکتے سالار نے اس کے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دے کر اپنے قریب کیا۔ وہ اس کے سینے سے آلگی اور سالار نے انگلی سے اس کی ٹھوڑی اٹھائی اور دوسری انگلی سے اس کے آنسوؤں کو اپنی پوروں پہ چنتے ہوئے کہا۔

"ان ہیروں کے لیے کر سکتا ہوں۔ کچھ بھی کر سکتا ہوں... کہہ کر دیکھو۔" وہ روتے روتے مسکرادی۔

"نہیں... بس... اتنا ہی..."

☼ ☼ ☼

سارے راستے میں دعا مانگتا آیا کہ مجھے محبت کو جنگ بنانا نہ پڑے۔ مجھے لفظ جنگ سے ہی خوف آتا تھا لیکن گھر آتے ہی سب سے پہلے میرے کانوں میں جنگ کے بگل بجے۔

"بس رضوان... اب آپ نے بات سنبھالنی ہے کل کمشنر آرہا ہے ام ہانی کا ہاتھ مانگنے بس یہی شرط تھی نا آپ کی کہ وہ آئے... تو جائیں اب بات کریں داداجی سے۔" امی بڑے زور شور سے ابو کو قائل کررہی تھیں میرے قدم زمین میں گڑ گئے تھے۔

"فکر مت کرو... منالوں گا میں انہیں... ویسے بھی میں مل چکا ہوں سالار اعظم سے۔ اس میں چاہ کے بھی وہ کوئی خاص اعتراض نہ نکال سکیں گے۔"

جنگ شروع ہوچکی تھی اور میں خالی ہاتھ تھا' میرے پاس تو ابھی تک کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ میں وہیں سے پلٹ گیا اور اپنے کمرے کو مورچہ سمجھ کے بند کرکے بیٹھ گیا۔ ساری شام... رات بھر...

اس دوران کبھی امی آکے دروازے پر دستک دیتی رہیں کبھی ام ہانی...

"سعد دروازہ کھولو... سعد پلیز۔" وہ باقاعدہ منت کرتی رہی۔

"کب تک ناراض رہو گے صبح کے آئے ہو اور مجھ سے ملے تک نہیں' پرسوں بھی ایسے ہی چلے گئے' سعد دروازہ کھولو ورنہ اس بار میں ناراض ہوجاؤں گی۔" اتنی بڑی دھمکی پہ بھی میں ٹس سے مس نہ ہوا۔

"سعد دیکھو... بعد میں ہو جانا ناراض' پھر کرلینا گلے شکوے... ابھی مجھے ضرورت ہے تمہاری... سعد پلیز۔" میں نے اس کی آوازوں سے بچنے کے لیے کانوں پہ تکیہ رکھ دیا۔

"تمہیں ہنی... ابھی اپنی ضرورت سب سے زیادہ مجھے ہے۔ پہلی بار میں نے تمہارا نہیں... اپنا ساتھ دینا ہے۔"

☼ ☼ ☼

ہمیشہ کی طرح ابھی بھی ان دونوں کے درمیان پراسرار سی خاموشی تھی' وہی صرف چمچے کے پلیٹ سے ٹکرانے کی آواز' البتہ تبدیلی صرف اتنی تھی کہ وہ جو اماں کھانے کے دوران بڑی آس سے گاہے بگاہے سالار پہ نظر ڈال لیا کرتی تھیں کہ شاید وہ ان کی موجودگی کا خیال کرکے ان سے کچھ پوچھ لے' دیکھ ہی لے... وہ بھی نہیں تھا آج۔

وہ سر جھکائے پلیٹ میں موجود کباب کو کرید رہی تھیں اور ان کی بجائے سالار ہر دو منٹ بعد ایک گہری نظر ان پہ ڈال لیتا تھا۔

"کل کیا مصروفیت ہے آپ کی؟" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں جیسے یقین ہی نہ آیا ہو کہ انہیں مخاطب کیا گیا ہے۔

"میری؟ کچھ بھی نہیں؟ میرے پاس کرنے کو ہے ہی کیا؟"

"چلیں... کل کی مصروفیت میں نے ڈھونڈلی ہے ایک جگہ جانا ہوگا آپ کو۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کررہا تھا۔

"کہاں؟"

"رضوان شاہ کی حویلی... ام ہانی کے اور میرے رشتے کی بات کرنے۔"

"ہاں ہاں... کیوں نہیں جاؤں گی۔" وہ بے تحاشا خوش ہوگئیں' مگر اس کا لہجہ ابھی بھی روکھا تھا۔

"اور کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے مجھے ان کا جواب صرف ہاں میں چاہیے' ہوسکے تو کل ہی شادی کی تاریخ بھی طے کرلیں جو قریب ترین ہو۔" اس نئے مطالبے پہ ان کی حیرت فوراً" ہی تشویش میں بدل گئی۔

"ہر بات کا قاعدہ ضابطہ ہوتا ہے سالار' کل رشتہ طلب کرنا ہے پھر ظاہر ہے انہیں سوچنے کی مہلت چاہیے ہوگی۔ شادی کی تاریخ طے کرنا تو بعد کے مرحلے ہیں۔" اماں کی تاویل پہ سالار اعظم کی پیشانی شکنوں سے بھر گئی۔

"کیا سوچنا ہے انہوں نے؟ کیسی مہلت؟ "میں" یعنی سالار اعظم شادی کرنا چاہتا ہوں اس سے... اور کیا چاہیے انہیں۔"

اس کے چہرے پہ کچھ ایسا تھا کہ اماں نے خائف ہو کے فوراً" ہی نظریں ہٹالیں اور زیر لب کچھ ورد کرنے لگیں۔ شاید استغفار...

☼ ☼ ☼

رات بھر وہ میرے دروازے پہ دستک دیتی اور پکارتی رہی۔ میں پتھر بنا رہا اور اب فجر کے وقت سے پتھر بنا چھت کی منڈیر پہ کھڑا اس انتظار میں تھا کہ وہ کب دوبارہ مجھے پکارے...

ہتھیلی پہ باجرہ لیے میں دانہ دانہ کرکے فضا میں اچھال رہا تھا... اور کبوتروں کو منڈیر پہ آکے چگتا دیکھ رہا تھا' اپنے عقب میں آہٹ ہوتے دیکھ کے بے اختیار میں پلٹا مگر وہ ام ہانی نہیں۔ امی تھیں' جو زمین پہ بچھی چادر پہ اچار ڈالنے کی نیت سے دھوپ میں رکھی کیری کی پھانکوں کو الٹ پلٹ کے مسالا برابر کررہی تھیں۔ میں مایوس ہو کے دوبارہ باجرہ فضا میں بکھیرنے لگا۔

"تمہیں تو ہانی نے بتایا ہی ہوگا کہ آج اس کے رشتے کی بات کرنے لوگ آرہے ہیں۔" پتا نہیں ماں ہو کے وہ مجھے انجانے میں ہی سہی... ایسے کچوکے کیوں لگا جاتی تھیں۔

"دعا کرو سعد... داداجی کوئی مسئلہ کھڑا نہ کریں۔"

"میں کیوں کروں دعا؟" میں کلس گیا۔

"بڑے بے مروت ہو... ویسے تو اوپر اوپر سے اتنی محبت جتاتے ہو ہانی سے' مگر اس کے لیے ایک دعا تک

نہیں کرسکتے۔"

"ہاں۔ نہیں کرسکتا۔" میری بدتمیزی عروج پہ تھی وہ ایک رومال سے ہاتھوں پر لگا اچار کا مسالا پونچھتیں میرے پاس چلی آئیں۔

"اچھا میرے لیے ہی کرلو مجھے بھی تو خواہش ہے کہ وہ بیاہ کے چلی جائے۔"

"کیوں؟" میں ناراض ہی ہوگیا... باقاعدہ...

"آپ کو کیا تکلیف ہے اس سے؟ وہ کیا کہتی ہے آپ کو؟"

"ارے تکلیف کیا ہوگی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ وہ اپنے گھر کی ہوجائے۔ مہ پارہ کی طرح حویلی میں بیٹھی نہ رہ جائے۔"

"تو بیٹھی رہے نا حویلی میں... آپ کا کیا جاتا ہے۔"

"اور اگر اس کی کسی اچھی جگہ شادی ہوجائے تو تمہارا کیا جاتا ہے۔" انہوں نے گھورا تو میں منمنا کے رہ گیا۔

"میرا ہی تو جاتا ہے۔"

"تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔"

مجھ سے مایوس ہو کے وہ جانے کے لیے مڑیں۔

"میں خود دادا جی سے بات کرتی ہوں۔ تم مدد کرنے کے موڈ میں نہیں ہو... بے فیض۔"

"کرسکتا ہوں مدد..." میرے کہنے پہ وہ جاتے جاتے پلٹیں۔

"واقعی؟ کیا؟"

"ایک حل ہے آپ مجھ سے کردیں اس کی شادی۔" مجھے لگا وہ حیران ہوں گی، پھر پریشان، پھر شاید ناراض یا غصہ مگر ان سب مراحل میں داخل ہونے کی بجائے انہوں نے فٹ میرے کاندھے پہ ایک زور کی دھپ لگادی۔

"ہر وقت مذاق اور سعد... مذاق اور بکواس میں بہت فرق ہوتا ہے۔ یہ اس کی زندگی کا معاملہ ہے جسے تم ہنسی میں اڑا رہے ہو بڑے ہوجاؤ سعد اب... نالائق..."

وہ ڈانٹتی، سر جھٹکتی، نیچے چلی گئیں میں نے بے زار ہو کر مٹھی میں دبا باقی کا سارا باجرہ فضا میں اڑا دیا اور اس بے زاری کے ساتھ کھنڈر کی منڈیر پہ آکے بیٹھ گیا۔

منڈیر بدلی تھی انتظار نہیں۔ اس بار انتظار زیادہ طویل نہیں تھا چند ہی لمحوں میں ہانی کا ہاتھ میرے چہرے کے سامنے تھا۔ میں نے ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالی دوسری اس کے ہاتھ میں دبے چاک پہ۔

"بہت ہوگیا... یہ لو اور لکھو اپنا اور میرا نام جو ہر صلح کے بعد لکھتے ہو۔"

"ابھی تک جھگڑا ہی نہیں ہوا تو صلح کیسی؟"

"اچھا۔ تو ابھی کسر باقی ہے لڑنے کی؟ کتنے برے ہو نا تم سعد... ایسے وقت میں جب مجھے تمہاری ضرورت سب سے زیادہ ہے تو تم نخرے دکھا رہے ہو۔"

"میری ضرورت تمہیں کبھی تھی ہی نہیں۔" میرے اندر ہزاروں گلے مچل رہے تھے۔

"ہمیشہ تھی... ہے... اور رہے گی۔" وہ میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"میں کیا صرف مشکل اور ضرورت میں یاد آتا ہوں۔"

"پھر سے جھگڑا... بس کرو نا مجھ میں ہمت نہیں ہے لڑنے کی۔ تم بس میری ہمت بڑھاؤ کوئی امید دلاؤ... پلیز۔"

"تم دلاؤ نا مجھے امید۔" میں مچلا... مگر وہ اپنی کہتی رہی۔

"تم نہیں جانتے سعد... مجھے کتنا ڈر لگ رہا ہے۔"

"مجھے بھی بہت ڈر لگ رہا ہے ہنی۔" میں ہی اپنی کہتا رہا۔

"دادا جی مان تو جائیں گے، بس اب ان پہ ہے سارا معاملہ۔"

اس کی بات نے کھٹ سے میرے دماغ کی ایک کھڑکی کھولی تھی ہاں... بڑے دادا... فیصلے کا اختیار تو ان کے پاس ہے... ابو، امی اور ہنی بھی، سب ان کی طرف آس بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ کیسا اچھا ہو جو بڑے دادا میری اس جنگ کا سب سے مہلک ہتھیار ثابت ہوں میں اسی وقت اٹھ کے بڑے دادا



کے کمرے کی طرف جانے لگا، وہ پھر سے پکارتی رہ گئی... مگر چند ہی لمحوں بعد وہیں بڑے دادا کے پلنگ کی پائنتی بیٹھا ان کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔

"آج تجھے میرا خیال کیسے آگیا؟"

"مجھے تو ہر وقت آپ کا خیال رہتا ہے۔ آپ کو ہی میرا خیال نہیں ہے۔ کسی کو بھی نہیں ہے۔ کسی کو میں نظر ہی نہیں آتا۔" میں نے ان کی ہمدردیاں لینے کے لیے جی بھر کے مظلومیت طاری کی، مگر وہ بھی میرے بڑے دادا تھے۔

"تیرے دادے کا بھی پیو ہوں میں... سب سمجھتا ہوں، جب بھی تجھے مجھ سے کوئی مطلب ہو، کچھ مانگنا ہو یا کچھ منوانا ہو تب ہی آتا ہے میرے پاس، بتا کیا ہے اصل بات؟" جب وہ اصل مدعے پہ آگئے تو میں تمہید باندھ کے وقت کیوں ضائع کرتا۔

"وہ بڑے دادا... آپ... آپ یہ بتائیں پہلے کہ آپ... ڈانٹیں گے تو نہیں... منع تو نہیں کریں گے؟" تمہید بھلے نہ باندھتا، حفاظتی بند باندھنا تو لازمی تھے۔

"نہیں نہیں بول۔" انہوں نے پچکارا۔

"جو کہوں گا مان لیں گے؟"

"آہو... شاباش... بول۔"

"پہلے وعدہ کریں۔"

"وعدہ۔" انہیں بھی اب بے تابی ہو رہی تھی جاننے کی۔

"پکا والا وعدہ؟" میں نے ایک بار پھر تسلی کرنا چاہی، مگر اب ان کا صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

"کنجرا... بھونکدے رہیا آں... ہور اسٹامپ پیپر تے لکھ کے دیواں؟"

چلانے سے ان پہ کھانسی کا دورہ پڑا تو میں گھبرا کے ان کا سینہ سہلانے لگا۔ ان کی سانس گم ہو رہی تھی اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا میری ہاتھ پیر پھول گئے۔

"نہیں بڑے دادا ابھی نہیں اس نازک موقع پہ نہیں۔ پلیز ابھی نہیں۔ ابھی رک جائیں جہاں اتنے سال نکال دیے آپ نے وہاں کچھ دن اور... پہلے میرا

کام تو کردیں..."

شکر خدا کا... ان کی حالت انہیلر لیتے ہی سنبھل گئی، مگر ہانپ رہے تھے اور فی الحال کچھ بولنے کی سکت نہیں تھی پھر بھی ہاتھ کے اشارے سے پوچھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں اب بک بھی دے۔

"بڑے دادا... سب کچھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

میں ایک بار پھر ہل ہل کے ان کی ٹانگیں دبانے لگا۔

"آپ چاہیں تو کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ آپ نے فیصلہ دے دیا تو سب مان جائیں گے۔"

"ہاں... تے بول تے سہی۔"

"وہ بڑے دادا... ہنی میرا مطلب ہے ام ہانی... آپ کو تو پتا ہے وہ میرے لیے کیا ہے بس بڑے دادا... آپ سمجھ جائیں نا... آپ نے کہیں تو اس کی شادی کرنی ہے... تو... تو... پھر..."

اس سے پہلے کہ میری بات پوری ہوپاتی۔ امی اور ابو دونوں ہی اندر داخل ہوئے۔ میں کوفت سے جھنجھنا اٹھا۔ یہی حال بڑے دادا کا بھی تھا وہ بھی سخت بدمزا ہوئے۔

"چلو... پوری فوج آگئی بڈھے تے چڑھائی کرن... مرن تے دیو سکون نال... بے ہدایتو۔"

"میں تو یہ بتانے آیا تھا دادا جی کہ آج شام سالار..." ابو کی بات کو بڑے دادا نے مکمل نہ ہونے دیا۔ بالکل ایسے جیسے میری بات کو ابو نے اچانک آکے ادھورا کردیا تھا۔

"آہو... آہو... پتا ہے کان پک گئے سن سن کے... زنانی مرد کا اپنا بس نہ چلا تو اسے بھیج دیا ہے چابی بھر کے۔" انہوں نے میرے کاندھے کو ٹھوکا دیا میں ہڑبڑا اٹھا اور بوکھلا کے انہیں دیکھنے لگا وہ میری بوکھلاہٹ بڑھانے لگے۔

"چل شاوا منڈیا... شروع ہوجا... کمشنر ہے، شریف ہے، کلم کلا ہے۔ شاباش... بول..."

"میں بڑے دادا؟" میں ہونق بنا انہیں دیکھ رہا تھا جو پھر سے کھانس رہے تھے۔

"دادا جی کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار ام

امہانی سے اس کی مرضی پوچھ لیں۔"

ایک تو یہ امی۔۔۔ میں بھنا اٹھا اکلوتی اولاد کی مرضی کیا ہے یہ جاننے کی زحمت بھی کریں۔

"اس سے کیا پوچھنا ہے۔۔۔ اسی نے تو یہ بھیجا ہے۔۔۔ یہ کھوتا۔۔۔ ام ہانی کا وکیل۔" ایک بار پھر میرے کاندھے کو استخوانی انگلیوں نے ٹھوکا دیا۔

"اب میں وعدہ کر چکا ہوں اس نامانیم سے۔۔۔ دے چکا ہوں اسے زبان۔۔۔"

مجھے یہ ٹھوکا ذرا نہ چبھا' خوشی سے بے قابو ہو کے میں نے ان کے پیر پھر سے دابنے شروع کر دیے۔

"لاڈلا ہے یہ میرا اس کی کوئی بات ٹال سکتا ہوں؟"

"سچی بڑے دادا؟" میرا بس نہ چلا کہ میں ان کے پیر ہی چوم لوں۔

"ہاں اے میرے دلوں۔۔۔ کہہ دے اس کمشنر کے بچے کو لے آئے جنج۔"

اور میرے ہاتھ ان کے پیروں پہ ڈھیلے پڑ گئے۔ میں ٹکر ٹکر ان کو دیکھنے لگا۔ یہ بازی پلٹ کیسے گئی۔ میرا ہی سپہ سالار۔ میدان جنگ میں مجھ پہ ہی وار کر گیا۔

آپ نے بہت درست فیصلہ کیا ہے دادا جی۔"

ابو خوش ہو کے بڑے دادا کے گلے لگنے آگے بڑھے۔

اب تو سعد کو بھیجے گا منوانے کے لیے۔ تو میں ناں کیسے کر سکتا ہوں۔"

میں سکتے میں آ گیا۔ امی میرے سر پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

"جیتے رہو سعد۔ یہ تم ہی تھے جو اپنے بڑے دادا سے یہ بات منوا سکتے تھے۔"

لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ میں وہاں سے نکلا۔ عقب میں کئی آوازیں تھیں جو سماعتوں تک پہنچ کر دل و دماغ میں آگ بھڑکا رہی تھیں۔

ہانی بی بی۔ ہانی بی بی۔ مبارک ہو۔ دادا جی مان گئے۔" یہ سلمٰی تھی۔ اور پھر امی کا فخریہ انکشاف۔

"میرے سعد کا جادو ہے۔ اس نے منایا ہے انہیں۔"

"سعد۔۔۔"

یہ شکرانے ادا کرتا لہجہ ام ہانی کا تھا۔ وہ شاید میرے پیچھے ہی آئی تھی مگر کسی نے روک لیا ہو گا۔

"ارے ہانی۔ تم کہاں چل دیں۔ دیکھو دوپہر ڈھل رہی ہے۔ شام کو سالار اور اس کے گھر والوں نے آنا ہے۔ مہ پارہ تم اسے تیار تو کر دو۔"

یہ بھی سنا تھا میں نے۔ اور اس کے بعد ایک مکمل سناٹا۔ پتا نہیں کس پاتال میں جا گرا تھا۔ جو نہ کچھ سنائی دے رہا تھا۔ نہ دکھائی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے تو آپ کی بچی پہلی نظر میں بھا گئی۔ بلکہ میں نے تو اسے دیکھے بغیر ہی دل سے بہو مان لیا تھا۔"

وہ باوقار۔ مگر سادہ دل سی اماں جان نائلہ اور رضوان دونوں کو بہت پسند آئی تھیں۔ اور اماں جان کو ام ہانی۔ البتہ مہ پارہ کی پسندیدگی بہت دور کی بات تھی۔

"لیکن ہم تو آپ کے بیٹے کو دیکھے جانے بغیر کوئی فیصلہ نہیں لے سکتے۔"

مہ پارہ کے صاف جتا دینے پر وہ کچھ شرمندہ ہوئیں۔

"دراصل وہ کچھ شرمیلا ہے۔ اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا اس موقعے پہ خود آنا۔"

"چلیں کوئی بات نہیں۔ ہم خود جلد آئیں گے آپ کے ہاں۔ دیکھیں۔ بیٹی کا معاملہ ہے۔ یوں ہتھیلی پہ سرسوں تو جمائی نہیں جا سکتی۔ سب دیکھنا' پرکھنا' جانچنا اور کھنگالنا پڑتا ہے۔" رضوان کو اس کا لہجہ کچھ بدتہذیبی کے زمرے میں آتا محسوس ہوا تو فوراً ٹوک دیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو مہ پارہ۔ سالار اعظم کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور ان کی شرافت' خاندانی نجابت کا' کردار کا قائل بھی ہوں۔"

"لیکن آنا تو آپ سب کو ہو گا۔"

اماں نے سبھاؤ سے دعوت دے ہی ڈالی۔

"آخر رشتے داری ہونے جا رہی ہے۔ میل ملاپ بڑھنا چاہیے۔ آپ کا پورا حق ہے اپنی تسلی کرنے کا۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ مگر آپ اپنے آبائی گھر کا پتا بھی تو دیں۔" مہ پارہ کی نئی فرمائش پہ نائلہ نے کسمسا کے رضوان کو ٹھوکا دیا۔ وہ بھی مہ پارہ کو گھور کے رہ گئے مگر وہ نظرانداز کیے لہک لہک کے کہتی رہی۔

دیکھیں ناں۔ یہاں آئے آپ کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ کوئی آپ کو جانتا تک نہیں ہے اس علاقے میں۔ ہم آپ کے آبائی شہر میں۔ اور پرانے جاننے والوں سے ہی پوچھ گچھ کر کے تسلی کریں گے۔"

"کیوں نہیں۔ ضرور۔۔۔"

اماں جان نے مروت میں کہا ضرور۔ مگر نائلہ مسلسل مہ پارہ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتی رہیں۔ رضوان نے بھی اپنی جانب سے کہہ کر تلافی کرنی چاہی۔

"نہیں۔ نہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ سالار کے خاندان اور حسب نسب سے میں باخوبی واقف ہوں۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ منہ میٹھا کراتے ہیں۔ سلمٰی۔" نائلہ اپنی مسرت چھپانے کی اپنی سی کوشش کرتے ہوئے سلمٰی کو پکارنے لگیں۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ مہ پارہ منہ بناتے ہوئے وہاں سے اٹھ کے جا رہی تھی۔

"ایک اور خواہش بھی تھی میری۔"

"جی جی کہیے۔"

رضوان نے اماں جان کی جانب توجہ کی جو کچھ کہہ رہی تھیں۔

"مجھے عنقریب اپنی بیٹی کے پاس امریکہ جانا ہے۔ کچھ مہینے رکوں گی وہاں۔ میں چاہتی تھی ہم منگنی وغیرہ کے تکلف میں نہ پڑیں۔ اور شادی جلد از جلد کر دیں۔ دراصل میں اس معاملے میں تاخیر نہیں چاہتی۔"

اب بھلا نائلہ کے لیے اس سے بڑھ کے خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ ان کا بس نہ چل رہا تھا خود ہی حامی بھر کے سب طے کر دیں مگر دادا جی۔۔۔

رات کو دادا جی کے کمرے میں پھر سے مقدمہ پیش ہوا۔

"ایسا رشتہ قسمت والوں کو ملتا ہے۔ بہت نصیب والی ہے ہماری ام ہانی جو سالار جیسا شخص اس کی زندگی میں آ رہا ہے۔" رضوان بڑھ چڑھ کے تعریفیں کر رہے تھے اور مہ پارہ ہر بات میں کجی تلاش کر رہی تھی۔

"دیکھا تک تو ہے نہیں ہم میں سے کسی نے اسے"۔ اور پھر دادا جی کو بھڑکانا چاہا۔ جو دل سے تو اب بھی راضی نہ تھے۔

"دیکھیں ناں دادا جی۔ کوئی بات ہے بھلا۔ پہلی بار وہ آئیں ہیں رشتہ لے کر اور بنا لڑکے کو دیکھے بھالے بھائی صاحب نے ہاں بھی کر دی۔ بھلے وقتوں میں تو لڑکی والے اگلوں کی جوتیاں گھسا دیا کرتے تھے۔"

"کیوں بھئی؟ اتنی بھاری تھی کڑی ہمیں' وہ کیا سوچیں گے کہ ان کو اتنی تھوڑ تھی رشتوں کی۔ تیار بیٹھے تھے ہاں کرنے کو۔"

دادا جی نے گھرکا تو رضوان بہن کو گھورتے ہوئے بولے۔

"دادا جی۔ بلاوجہ کے نقص کس لیے نکالتا میں؟"

"نقص نکالنے کی نوبت تو تب آتی جب اسے دیکھا جاتا۔" مہ پارہ نے پھر پھلجھڑی چھوڑی۔

"انہوں نے ہمیں انوائیٹ کیا تو ہے۔ تم بھی چلنا۔ دیکھ لینا۔ اور کر لینا اپنی تسلی۔"

رضوان نے تنگ آ کے مہ پارہ سے کہا۔

"اور دادا جی۔ آپ بھی چلیں مہ پارہ کے ساتھ۔"

"ناں۔ میں کتھے جاؤں۔" دادا جی پہ اسی وقت نقاہت طاری ہو گئی۔

میں تے میری بیماریاں۔۔۔ ھک ھا۔۔۔"

آہیں بھرتے۔ ہانپتے کانپتے۔ سو سو باتیں سناتے آخر کار' دادا جی نے اپنے تمام اعتراضات سے ہاتھ اٹھا ہی لیا۔ اب رضوان تبھی کھل کے مٹھائی کھا رہے تھے۔ نائلہ کی خوشی میں اس کا ساتھ دے رہے تھے جبکہ مہ پارہ بڑے کمرے میں ان کے ساتھ موجود تو تھی۔ مگر ان کی خوشیوں میں نہیں۔ اور اس کے

چہرے پہ موجود بے زاری اور ناگواری ام ہانی کے چہرے کھلتی حیا میں ڈوبی مسکراہٹ کو پھیکا کیے دے رہی تھی۔

"اب بس بھی کریں۔ شوگر ہائی ہو جائے گی۔"

نائلہ نے رضوان کے ہاتھ سے گلاب جامن لیا اور ام ہانی کے منہ میں ٹھونس دیا۔ وہ مزید شرما گئی۔

"میں تو خوش ہوں اور حیران بھی۔ کہ دادا جی نے میری توقعات کے برعکس کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا۔"

رضوان نے ایک اور گلاب جامن اٹھالیا۔

"ظاہر ہے۔ بھابھی نے طے جو کررکھا ہے کہ ہاں ہی کہلوانی تھی؟" مہ پارہ کے جلے کٹے طنز پہ ام ہانی سہم کر آنچل درست کرنے لگی۔ اسے بہت خوف آتا تھا۔ کبھی مہ پارہ کی زبان سے۔ کبھی اس کے مزاج سے۔

"یہ لو۔ سعد بھی آگیا۔"

نائلہ کے کہنے پہ آنچل ماتھے تک کھینچتی ام ہانی نے چونک کر سامنے دیکھا۔

میں تھکا ہارا۔ نڈھال۔ پژمردہ۔ بڑے کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا حیرت سے۔ کبھی ٹیبل پہ رکھی چائے اور دیگر لوازمات کی باقیات دیکھ رہا تھا۔ کبھی فرش پہ دھرے مٹھائی کے ٹوکروں کو۔ تو کبھی سب کے درمیان آنچل میں، سر جھکائے شرماتی ام ہانی کو۔ ابھی میں کچھ پوچھ بھی نہ پایا تھا کہ امی مٹھائی لے کر بڑھیں۔

"کہاں تھے تم سعد۔؟"

"کیسی بری عادت ہے صاحبزادے کی۔ ایک تو بتائے بغیر گھر سے نکلنا۔ اور پھر فون نہ اٹھانا۔"

خلاف معمول ابو نے ڈانٹنے کی بجائے صرف جتایا۔

"حالانکہ کتنا ضروری تھا آج تمہارا گھر ہونا۔"

امی نے برفی کا ٹکڑا میری جانب بڑھایا۔

"کیوں۔۔۔ آج ایسا کیا تھا؟"

میرے اتنا پوچھتے ہی امی نے برفی کا ٹکڑا میرے منہ میں ٹھونس دیا۔

"ام ہانی کی منگنی۔"

مجھے ایسا لگا کسی نے میرے منہ میں انگارے بھر دیئے ہوں۔ نہ میں اس برفی کو اگل پا رہا تھا نہ نگل پا رہا تھا۔ ٹکر ٹکر سب کو دیکھنے لگا۔

ام ہانی دوپٹے میں چہرہ چھپائے مسکرا رہی تھی۔ مہ پارہ پھوپھو مجھے چھیڑ رہی تھیں۔

"ارے۔ یہ تو کچھ شادی مرگ والی کیفیت ہے۔"

"ناراض ہو گیا ہے شاید۔ اسے بتائے بغیر منگنی کرڈالی۔" یہ ابو کا قیاس تھا۔

"تو یہ گھر میں ٹکے بھی تو۔ کسی کے پاس بیٹھ کے کچھ سنے تو۔" امی نے میرا گال محبت سے سہلانا چاہا مگر میں ان کا ہاتھ جھٹک کے وہاں سے ایسے بھاگا۔ جیسے ایک منٹ اور رکا۔ تو۔ تو یہ انگارے میرے وجود میں اتر جائیں گے۔

بھاگتے ہوئے وہاں سے نکلنے کے بعد سب سے پہلے میں نے گلاب کی کیاری میں برفی کا وہ ٹکڑا تھوکا۔ جو میرے منہ میں جھلس رہا تھا۔ تھوک پھینکنے کے بعد بھی میرے حلق سے کڑواہٹ نہ گئی۔ بے بسی کے احساس سے پسپا۔ میں وہیں کیاری کے پاس بیٹھ کے رونے لگا۔

☼ ☼ ☼

"اور آج سے میں آپ کی ہو گئی۔"

وہ سرشاری سے کہہ رہی تھی۔ سامنے ہو تو الفاظ گنگ سے ہو جاتے تھے۔ اندر ہی اندر مچل کے رہ جاتے۔ مگر زبان کی نوک پہ آنے کی ہمت نہ کر پاتے تھے۔ اس وقت وہ فون کے دوسری جانب تھا۔ اس لیے وہ سب الفاظ اس کے لبوں پہ سجے تھے۔

"تم اسی دن میری ہو گئی تھیں۔ جس دن میری پہلی نظر تم پہ پڑی تھی۔ میں بتا چکا ہوں کہ۔ جو مجھے پسند آتے ہیں وہ میرے ہو جاتے ہیں۔"

"چلیں۔ یوں کہہ دیتی ہوں کہ آج سے آپ میرے ہو گئے۔"

"میں صرف اپنا ہوں۔"

سالار کے کہنے پہ وہ ٹھٹکی۔ اور جب غور کرنے پہ



بھی اس کے لہجے میں مذاق کا کوئی شائبہ نہ ہوا تو روہانسی ہو گئی۔

"کیوں تنگ کرتے رہتے ہیں آپ مجھے۔ بار بار مجھے ستانے والی باتیں کریں گے تو۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔"

"کیا کروں گی تم؟"

وہ بے حد اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔

"رو دو گی؟" اس کی سرگوشی ابھری۔ اور ام ہانی مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

"سعد۔ بیٹا ناشتے کے لیے نیچے کیوں نہیں آئے؟"

صبح ہو گئی ہے۔ اس کا اندازہ مجھے کبھی نہ ہوتا۔ اگر امی اندر آکے یہ نہ کہتیں۔ میں یونہی گم صم سا اوندھا پڑا انہیں دیکھتا رہا۔ وہ میرے پاس بیٹھ کے محبت سے میرے بال سہلانے لگیں۔

"رات کو بھی بنا کچھ کھائے سو گئے تھے۔"

"کھلائی تو تھی آپ نے۔۔۔ مٹھائی۔"

میں نے ناراضی جتائی اور منہ پھیر لیا۔

اتنے ناراض کیوں ہو؟ رضوان نے ڈانٹا تھا کسی بات پہ؟ میں ابھی پوچھتی ہوں ان سے۔"

انہوں نے میرا چہرہ ہاتھوں میں لے کر اپنی جانب موڑا اور پھر پریشان ہو گئیں۔

"تم رو رہے تھے سعد؟ ارے۔ بتاؤ تو سہی۔ مجھے پریشان مت کرو سعد۔ بتاؤ اصل بات۔"

"امی۔۔۔ وہ۔۔۔ ہنی۔۔۔"

میں وہی بچہ بن گیا جو ان کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا کرتا۔ اور فرمائشیں منوالیا کرتا تھا۔ مجھے لگا میرے رونے پہ ہمیشہ کی طرح وہ پریشان ہو جائیں گی۔ مگر وہ ایک سکون کا سانس لیتے ہوئے اپنے گود میں رکھے میرے سر کو پیار سے تھپکتے ہوئے کہنے لگیں۔

"اوہ۔ شکر۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ پتا نہیں کیا ہوا۔ پاگل۔ لڑکیاں بھی بھلا کیا ہمیشہ کے لیے گھر رہتی ہیں۔ اسے تو جانا ہی ہے ایک دن۔ میں جانتی ہوں تم

اس کے جانے کے خیال سے دکھی ہو رہے ہو آخر بچپن کا ساتھ ہے۔ نہ تمہارا کوئی بہن بھائی۔ نہ اس کا۔ تم دونوں نے ایک دوسرے کی تنہائیاں بانٹی ہیں۔ مگر بیٹا۔ یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔" انہوں نے جھک کر میرا ماتھا چوما۔ میرے سسکیاں تھم گئی تھیں۔ اور آنسو بھی۔

"بس دعا کرو اس کے لیے۔ اس کی زندگی کا اگلا سفر خوشگوار گزرے۔"

میری آنکھیں مکمل طور پر خشک ہو گئیں۔ میں نے اپنا سر ان کی گود سے نکالا اور تکیے پہ رکھ کر دوبارہ رخ موڑ لیا۔ باہر سے ابو کے پکارنے کی آواز سنائی دی۔ وہ فوراً اٹھیں۔

"ارے۔ باتوں میں لگالیا۔ میں چلوں۔ تمہارے ابو تو شور مچادیتے ہیں گھنٹہ پہلے ہی۔ اگر کہیں جانا ہو تو۔"

میں بے بسی سے انہیں کمرے سے نکلتا دیکھتا رہا۔ جانتا تھا کہ کہاں جانے کی تیاری ہے۔ کچھ دیر چپ چاپ لیٹا رہنے کے بعد میں پھرتی سے بیڈ سے اترا اور نیچے جھانکا۔

"مہ پارہ۔ آبھی جاؤ۔ دیر ہو رہی ہے۔"

امی کوفت سے پھوپھو کو بلا رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے وہ دادا جی کو منا رہی ہے۔ ساتھ جانے کے لیے۔"

"وہ نہیں جانا چاہتے تو آپ دونوں کیوں اصرار کر رہے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں رضوان۔ یہی اچھا ہے کہ وہ نہ جائیں۔ بلاوجہ کوئی مین میکھ ہی نکالیں گے۔ بلکہ مجھے تو مہ پارہ کی طرف سے بھی کھٹکا ہے آپ نے دیکھا نہیں۔ کل بھی کیسے بار بار طنز سے۔۔۔"

اور پھر پھوپھو کو کمرے سے برآمد ہوتا دیکھ کے چپ ہو گئیں۔ ان کے لحاظ میں نہیں۔ حیرت سے۔ پھوپھو فیروزی ساڑھی میں پورے بناؤ سنگھار کے ساتھ سامنے تھیں۔ فیروزہ جڑا کندن کا سیٹ بھی۔۔۔

"مہ پارہ۔ ابھی ہم صرف شادی کی تاریخ کی بات کرنے جا رہے ہیں۔ شادی نہیں ہے جو تم اس قدر

تیار ہو گئی ہو۔"

"نہیں پتا چلنا چاہیے کہ ہم کوئی ایسے ویسے لوگ نہیں ہیں۔" وہ اترا رہی تھیں۔

"خاندان اور رتبے کا اندازہ زیور اور ظاہری چمک دمک سے نہیں لگایا جاتا۔ مگر بہرحال تم سے بحث کون کرے آؤ اب۔ پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔"

امی سر جھٹک کے انہیں آنے کا کہتی آگے بڑھیں۔ میں تیزی سے سیڑھیاں اترا۔

"ایک منٹ۔ میرے بغیر کیسے جا رہے ہیں آپ؟"

سب ہی حیران رہ گئے۔ پھوپھو کہے بنا رہ نہ سکیں۔

"تم بھی ساتھ چلو گے؟ مگر اس موقع پر تو صرف بڑے جایا کرتے ہیں۔"

"آنے دو۔ ماشاء اللہ اب میرا بیٹا بھی بڑا ہو گیا ہے۔ آؤ سعد۔" ابو کے مزاج کا کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ کبھی دھوپ کبھی چھاؤں۔

میں جانتا تھا ہنی کو جب اطلاع دی ہو گی تو وہ بہت حیران ہوئی ہو گی۔ کہ میں بھی ساتھ گیا ہوں۔ اب اسے کیا خبر۔ کہ میں کس لیے وہاں جا رہا ہوں۔

ویسے۔ خبر مجھے بھی نہیں تھی۔ کہ میں کیوں جا رہا ہوں۔ اور جب وہاں سالار اعظم کی قد آدم تصویریں جا بجا آویزاں دیکھیں تو مجھے اندازہ ہوا۔ کہ میں یہاں کیوں آیا تھا۔

میں خود کو اذیت دینے آیا تھا۔

"یہ میرا بیٹا ہے۔ سعد رضوان شاہ۔"

اور جب ابو کے تعارف کرانے پہ سالار اعظم نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ تو میں نے یہی اذیت اس کے اندر بھی محسوس کی۔ خاص طور پر تب جب امی نے اس تعارف کو مزید تفصیل سے بیان کیا۔

"ہم ہانی اور اس کی بہت دوستی ہے۔ بچپن سے ہی۔ یوں سمجھو۔ ایک جان۔ دو قالب۔"

مجھے اس کے ہاتھ میں وہی خنکی محسوس ہوئی۔ جو اس کی نظروں میں تھی پھر اس نے صرف ایک لمحے کے لیے میرا ہاتھ چھوتے ہی فوراً" چھوڑ دیا۔ مگر ایک ناگوار سی شکن اس کے ماتھے پہ اگلے کئی لمحوں تک رہی۔ مجھے لگا۔ میرے آنے کا مقصد پورا ہو گیا۔ وہاں جتنی دیر سب موجود رہے۔ میں چپ تھا۔ اور واپسی کے سارے راستے بھی میں نے گفتگو میں بالکل کوئی دخل نہ دیا۔

"غضب خدا کا۔ اتنی بڑی عمر کا داماد چنا ہے آپ نے۔ میری تو زبان ہی من بھر کی ہو جاتی ہے اسے داماد کہتے ہوئے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو مجھ سے ایک آدھ برس کا ہی فرق ہو گا۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے مہ پارہ۔"

امی اس حد درجہ مبالغے پہ تلملا اٹھیں۔

"زیادہ سے زیادہ پینتیس برس کا ہو گا۔ مردوں کی اسٹیبلش ہونے میں اتنی عمر تو ہو جاتی ہے۔"

"اتنی بھی نہیں ہوتی بھابھی۔ اور وہ پینتیس کا ہو پینتالیس کا۔ آپ یہ دیکھیں کہ ہانی کی عمر کیا ہے۔ کوئی دس گیارہ برس کا فرق ہو گا۔" ان سب سے لاتعلق میں گردن موڑے باہر تکتا رہا۔

"تو اتنا فرق عام ہے مہ پارہ۔ اور یہ بھی تو دیکھو۔ کہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ جب انہیں یہ فرق نظر نہیں آ رہا تو ہم کیا اعتراض کریں۔"

ابو کے کہنے کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ پھوپھو نے جھٹ دوسرا اعتراض داغ دیا۔

"اور مجھے تو مزاج کا بھی تیکھا لگا۔"

اس بار بھی ابو نے ہی ان کی تسلی کرانا چاہی۔ امی مسلسل منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔ شاید انہیں اندازہ تھا۔ کہ اگر وہ کچھ بولیں تو بہت خطرناک ہو گا اس لیے احتیاطاً" چپ تھیں۔

"سنجیدہ مزاج اور کم گو ہے اور کیا وہ ہنسی ٹھٹول کرتا تمہارے ساتھ۔ باادب ہے۔ اور مہذب۔"

میں جانتا تھا وہ بے چینی سے میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ بہت سے سوال ہوں گے اس کے پاس۔ اور میں اس سے نہیں اس کے سوالوں سے بچنے کے لیے پھر سے کمرے میں بند ہو گیا۔ خلاف امید آج رات دروازے پہ کوئی دستک نہ ہوئی۔ میں اس سے کترا ضرور رہا تھا۔ مگر یہ تھوڑا ہی چاہتا تھا کہ وہ میرے پیچھے



نہ آئے۔ مجھے نہ پکارے۔ بے شک میں نے اس کی صدا کا جواب نہ دینا تھا۔ مگر وہ پکارتی تو۔ بھلے میں نے دروازہ نہیں کھولنا تھا۔ مگر وہ دستک تو دیتی۔

اس بات نے میرے اندر طیش کو اور بھی بلاخیز کر دیا۔ اور وہ سارا طیش میں نے کھنڈر کی اس دیوار کے خالی حصے پہ نکال دیا۔ میری انگلیوں کی پوریں کوئلے سے سیاہ ہو رہی تھیں اور بدن پسینے سے شرابور جب مجھے اس کی آواز سنائی دی۔

"سعد"۔

میں پلٹ کے دیکھے بنا اپنا کام کرتا رہا۔ وہ میری پشت پہ کھڑی تھی اس لیے اب تک دیکھ نہیں پائی تھی کہ دیوار پہ کوئلے نے اپنی سیاہی سے کیا ابھارا ہے۔ آخر اس نے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے میرا رخ اپنی جانب موڑا۔

"شکر ہے۔ تم ملے تو۔" میں مڑا تو وہ سیاہی میری پشت پہ چھپ گئی۔ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔

"مگر مجھے تم نہیں ملی۔"

"یہ لو۔ تمہارے سامنے ہی تو ہوں۔"

"جو سامنے ہوتے ہیں' وہ ساتھ نہیں ہوتے۔ سامنے ہونے اور ساتھ ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے ہنی۔"

"ایک تو تمہاری باتیں۔ بدھو۔ سمجھتے ہو ایسی الٹی سیدھی ہانک کے بڑے کوئی فلاسفر بن جاؤ گے۔ اچھا۔ تم نے مجھے بتایا نہیں۔ تمہیں سالار کیسے لگے؟"

"بتاؤں؟"

"ہاں ناں بتاؤ۔"

وہ بڑے اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔ میں دیوار کے آگے سے ہٹا۔ اور اس سے کوئلے سے بنا عکس اسے دکھایا۔

"ایسا۔"

میں نے بڑے بڑے دانتوں' سر پہ سینگ اور خوفناک آنکھوں والی شبیہہ اسے دکھائی۔

"یہ کیا مذاق ہے سعد؟"

میں نے ہنی کو اتنا برہم کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"مذاق نہیں۔ یہ تمہارا سالار ہے۔ جن۔ خون چوسنے والا۔ جو ایک خوب صورت پری کو ہمیشہ کے لیے قید کرنے والا ہے۔"

"تمہارے بے ہودہ مذاق کبھی کبھی حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ کچھ تو تمیز کیا کرو سعد۔ اب بات مت کرنا مجھ سے؟"

وہ جو اتنے دن سے مجھے منا رہی تھی۔ اب خود خفا ہو کے چل دی۔

☼ ☼ ☼

وہ الجھ سی گئی تھی۔ اس کی ناراضی اس کا عجیب و غریب رویہ۔ یہ الٹی سیدھی حرکتیں کچھ بھی تو سمجھ نہ آ رہا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو مہ پارہ۔ اب وہ پرانے ڈیزائن کے بھاری زیور کون پہنتا ہے؟"

بڑے کمرے میں مہ پارہ اور نائلہ شادی کی تیاریوں کا آغاز کیے بیٹھے تھیں۔ ایک ڈھیر لگا تھا سامنے۔

"روایت ہے حویلی کی بھابھی۔"

"اب روایتیں دیکھیں۔ یا بچی کی پسند۔ میں نئے زیور ہی بنواؤں گی اور سب ہانی کی پسند کے۔"

"تو ان پرانے زیورات کا کیا ہو گا؟"

مہ پارہ نے جڑاؤ کنگن اٹھا کے حسرت سے دیکھا۔

"وہ میں سعد کی دلہن کو دے دوں گی۔"

اور سامنے سے آتی ہانی کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔

"ہانی۔ ادھر آؤ بیٹا۔ تم سے پوچھنا تھا۔ ذرا یہ دیکھ کے بتانا تو۔ ان میں سے تمہیں کچھ۔"

اور پوچھتے پوچھتے وہ ٹھٹک کے رکیں۔ ہانی کے چہرے کی الجھن بہت واضح تھیں۔

"کیا ہوا بیٹا۔"

"نہیں۔ کچھ نہیں۔ بس۔ وہ سعد۔ وہ کچھ عجیب سا۔" وہ کیا بتاتی۔ جب خود ہی کچھ نہ جان پا رہی تھی۔

"ارے۔ تم سعد کی وجہ سے پریشان ہو۔ فکر مت

کروابھی ذہنی طور پر تیار نہیں ہے تم سے دور ہونے کے لیے۔ بچہ ہی تو ہے اور تم سے اتنا قریب بھی۔ تمہارے جانے کے خیال سے ہی چڑچڑا ہو گیا ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا آہستہ آہستہ۔"

بظاہر کوئی اور وجہ بھی نہیں تھی۔ اس لیے ام ہانی نے بھی اس تسلی سے دل کو بہلا لیا۔ اور مسکرا کے ان کے ہاتھ سے گلو بند لے کر دیکھنے لگی۔

"مگر یہ سعد ہے کہاں؟"

مہپارہ نے پوچھا۔

☼ ☼ ☼

میری گاڑی کی بریک ٹھیک سالار اعظم کے گھر کے سامنے لگی تھی۔ میں اس سیاہ پتھروں کی عمارت کو پتھریلی آنکھوں سے ہی کچھ دیر تکتا رہا۔ پھر اندر بڑھا۔

"دل تو میرا ہی چاہ رہا ہے نوین۔ کہ تم اس شادی پہ ہوتیں۔ آخر اکلوتا بھائی ہے مگر اس حالت میں اتنا لمبا سفر۔ اللہ اللہ کر کے تو یہ دن آیا ہے تمہاری زندگی میں۔"

میں ملازمہ کی رہنمائی میں ہال تک پہنچا جہاں سالار کی والدہ کسی سے فون پہ بات کر رہی تھیں۔

"نہیں نہیں۔ میں رک نہیں سکتی۔ پہلے تو وہ مانتا ہی نہیں تھا شادی کے لیے۔ اب مانا ہے تو میں ایک دن کی تاخیر بھی نہیں چاہتی۔ اس کے مزاج کا کیا بھروسا۔"

پہلے ملازم اور پھر مجھ پہ نظر پڑی تو وہ چونکیں۔

"نوین۔ میں تمہیں کچھ دیر میں کال کرتی ہوں۔"

"بیگم صاحبہ۔ یہ آپ سے ملنے آئے ہیں۔" ان کے فون رکھتے ہی ملازم اپنا فریضہ ادا کر کے چلا گیا۔

"السلام علیکم۔ میں۔ سعد رضوان شاہ۔ کل آیا تھا آپ کے گھر۔ ام ہانی کا کزن۔"

☼ ☼ ☼

"سعد کون ہے؟"

سالار کے اچانک سوال پہ ام ہانی حیران رہ گئی۔ اس کے اتنے اصرار پر وہ اس سے ملنے آئی تھی اور اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"سعد... سعد ہے۔"

وہ بھولپن سے بولی۔

"آپ سعد کو نہیں جانتے' کل آیا تھا آپ کے ہاں؟"

"واقف ہوں۔ جانتا نہیں۔ بہت فرق ہے دونوں باتوں میں۔ سنا ہے تمہارا بہت اچھا دوست ہے۔ تمہاری زندگی میں اس کا ایک خاص مقام ہے۔"

"ہاں... ہے تو..." وہ مسکرائی۔

"اگر وہ اتنا اہم ہے تو میں اب تک اس بات سے انجان کیوں ہوں۔ مجھے تمہارے بارے میں ہر چھوٹی بڑی بات کا علم ہونا چاہیے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم نے کبھی اس کا ذکر تک نہیں کیا؟"

"آپ خود ہی تو منع کرتے ہیں"

وہ معصومیت سے گلہ کر بیٹھی۔

"کہ جب میں آپ کے ساتھ ہوں تو صرف آپ کی بات کروں۔ آپ کو برا جو لگتا ہے کہ میں کسی اور کا ذکر بھی نہ کروں آپ کے سامنے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب نہیں ٹوکوں گا۔"

کچھ دیر تک اس کے چہرے کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھتے رہنے کے بعد سالار نے کہا۔

"بتاؤ اس کے بارے میں۔ میں خود پوچھ رہا ہوں۔"

☼ ☼ ☼

"صرف کزن ہی نہیں۔ بچپن کی دوست ہے وہ میری۔ سب سے اچھی دوست۔ مجھے بہت عزیز ہے ہنی۔ اور میں اس کے ساتھ کچھ غلط ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

میں کسی ریکارڈ کی طرح ان کے سامنے بج رہا تھا۔

"اتنی پیاری بچی ہے ماشاء اللہ۔ خدا اس کے نصیب اچھے کرے۔ اس کے ساتھ کبھی کچھ برا نہیں ہو گا۔ ان شاء اللہ۔"

"ہونے تو جا رہا ہے۔ بلکہ ہو رہا ہے۔"

میں نے جی بھر کے تشویش ٹپکائی اپنے چہرے اور لہجے سے۔ حسب توقع وہ چونک اٹھیں۔

"کیا مطلب؟"

"دراصل۔ میں آپ سے جو بات کرنے والا ہوں۔ وہ بہت نازک ہے۔ آپ کو حیرت بھی ہو گی اور شاید آپ کی رائے بھی میرے بارے میں بہت بری قائم ہو گی۔ لیکن... کیا کروں۔ بتائے بغیر بھی چارہ نہیں۔ میں انجام کی پروا کیے بغیر آپ سے یہ بات کہنے جا رہا ہوں۔"

"آخر بات کیا ہے بیٹا۔ مجھے اختلاج ہو رہا ہے۔ جلدی بتاؤ۔ کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"جی جی۔ بتانے والا ہوں۔ بتانے ہی تو آیا ہوں؟"

میں صوفے پہ تھوڑا آگے کو کھسکا۔

"لیکن پہلے آپ وعدہ کریں کہ اسے طریقے سے ہینڈل کریں گی۔ اور کسی پہ ظاہر نہیں ہونے دیں گی کہ میں نے یہ بات آپ کو بتائی ہے۔"

"اب تو تم مجھے خوف زدہ کر رہے ہو"

ان کے چہرے پہ باقاعدہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"نہیں۔ پہلے آپ وعدہ کیجیے۔ میرا نام کہیں نہیں آئے گا۔ بلکہ قسم کھائیے۔"

"اچھا بیٹا۔ وعدہ۔ مگر بتاؤ تو سہی۔"

وہ سخت بے چین تھیں۔ بلکہ میں نے کر ڈالا تھا۔

"نہیں وعدہ نہیں۔ قسم۔ اپنے بیٹے سالار کی قسم۔"

☼ ☼ ☼

"مجھے بس اتنا پتا ہے کہ وہ کبھی میرا برا چاہ ہی نہیں سکتا۔ پوری دنیا میں اگر کسی کو سب سے زیادہ میری پروا ہے تو وہ سعد ہے۔ سعد رضوان شاہ۔"

اس کے لہجے میں سچائیاں بول رہی تھیں۔ اور سالار کی پیشانی شکنوں سے پر ہوتی جا رہی تھی۔ اپنی دھن میں مگن ہانی کو احساس تک نہ ہوا۔

"وہ مجھے خوش دیکھنا چاہتا ہے۔ مجھے خوش رکھتا ہے' مجھے خوشیاں دیتا ہے۔ میری خوشی کا دوسرا نام ہے سعد۔"

☼ ☼ ☼

"جیسا کہ آپ کو پتا ہے کہ امہ ہانی کے پیرنٹس۔ میرے چچا' چچی گزر چکے ہیں۔ میرے امی ابو نے ہی اسے پالا ہے۔" بالآخر میں نے بتانا شروع کیا۔

"میں جانتی ہوں اور تمہاری والدہ نے اس کی بہت اچھی تربیت کی ہے۔"

"جی جی۔ اور ابو نے بھی پرورش میں کوئی کسر نہیں رہنے دی۔ مگر کسی کو محبت اور توجہ سے پال لینا اور بات ہے اور اس کے تمام حقوق پورے کرنا ایک الگ بات۔"

"حقوق؟ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے کہتے ہوئے اچھا نہیں لگ رہا۔ مگر۔ دیکھیں ناں۔ بے شک میرے والدین ہی... پھر بھی... سچ تو سچ ہے۔"

انہیں ٹھیک ٹھاک ہراساں اور سراسیمہ کرنے کے بعد میں نے تمہید کو سمیٹا اور مدعے پہ آیا۔

"ساتھ تو سچائی اور انصاف کا دینا چاہیے۔ جیسے

## دعائے مغفرت

ہماری رائٹر سعدیہ عزیز آفریدی کی والدہ قضائے الٰہی سے دار فانی کو الوداع کہہ گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم سعدیہ عزیز آفریدی کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں۔ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

میں امی اور ابو کی اکلوتی اولاد ہوں ایسے ہی ام ہانی بھی اپنے پیرنٹس کی اکلوتی تھی۔ ان کی وفات کے بعد ان کا جو بھی ہے۔ اس کی واحد وارث۔۔۔ اور آپ کو اندازہ تو ہو گا کہ وہ سب کچھ کتنا ہو گا۔"

"وہ جو بھی ہے۔ جتنا بھی ہے۔ ام ہانی کا ہے۔ ہمیں اس سے کیا غرض۔ ہمارے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے؟"

وہ شاید برا مان گئی تھیں۔ اس لیے وضاحت دینے لگیں۔

"اور سالار تو یوں بھی بہت خوددار اور غیور ہے۔ وہ کبھی جاننا تک پسند نہیں کرے گا کہ ام ہانی کتنی جائیداد کی مالک ہے۔"

"وہ تو آپ کی نیک نیتی ہے۔ لیکن ضروری تو نہیں کہ سب کی نیت ہی ٹھیک ہو۔"

"کس کی بات کر رہے ہو بیٹا؟"

ان کے سوال پہ میں ایک لمحے کو جھجکا۔

"میں اپنے۔۔۔"

پھر اگلے ہی پل خود غرض ہو کے کہہ دیا۔

"اپنے ابو کی۔ وہ نہیں چاہتے کہ ام ہانی کو اس کے حصے کی پراپرٹی ملے۔"

☼ ☼ ☼
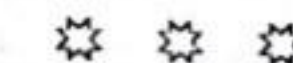
"وہ بہت سادہ ہے سالار۔ بہت معصوم" ام ہانی ایک بار سعد کے بارے میں بات کرنا شروع کردے تو بھلا کون روک سکتا تھا اسے۔

"اپنی عمر سے کہیں کم ہے اس کی ذہنی عمر۔ اس کی عمر کے لڑکے اتنے تیز ہوتے ہیں۔ اور وہ۔ بدھو۔"

وہ ہنس پڑی۔ سالار کو اس کی ہنسی سے وحشت سی ہوئی۔ اس نے سگریٹ یوں سلگائی جیسے اس کے ساتھ سعد کے غائبانہ ذکر کو بھی دھوئیں میں اڑانا چاہتا ہو۔

"بہت اچھا ہے دل کا۔ معصوم۔ بھولا بھالا۔ سچا۔ دھوکا دینا۔ جھوٹ بولنا۔ فریب کاری۔ یہ سب اسے نہیں آتا۔"

☼ ☼ ☼

وہ حیرت سے گو مگو سے جا رہی تھیں اور میں فراٹے سے جھوٹ پہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اپنے اس فن کا اندازہ مجھے آج ہوا تھا کہ میں کتنی اچھی کہانی گھڑ سکتا ہوں۔

"بس اب یہ معاملہ آپ کے سپرد ہے۔ آپ چاہیں تو ام ہانی کو اس کا حق مل سکتا ہے۔"

"بیٹا جو تم کہہ رہے ہو۔ وہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم سالار کو نہیں جانتے وہ کبھی بھی یہ بات نہیں کرے گا۔ بلکہ اگر میں نے اسے یہ مشورہ بھی دیا تو وہ بگڑ جائے گا۔"

"تو آپ ان سے بات نہ کریں۔ ڈائریکٹ میرے ابو سے' یہ کہیں آپ کی بات زور رکھتی ہے۔"

میری بات پہ وہ مزید گھبرا گئیں۔ بے چاری سادہ خاتون۔

"نہیں نہیں۔ یہ بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔ اور سالار کو علم ہوا تو وہ۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔"

"پلیز۔ پلیز۔ کچھ تو سوچیں۔ وہ ایک یتیم لڑکی ہے۔ اسے اس کے حق سے محروم رکھنے کا سوچا جا رہا ہے صرف اس لیے کہ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ آپ ہی یہ فریضہ ادا کردیں۔ نیکی سمجھ کے ثواب ہی کما لیں۔"

مجھے لگا اس عمر میں سب کو آخرت سنوارنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے ہی وہ رضامند ہو جائیں۔

"میرے ابو اتنے برے انسان نہیں ہیں۔ بس پتا نہیں کیسے۔۔۔ ہو سکتا ہے کسی کے غلط مشورے پہ ان کے قدم ڈگمگا گئے ہیں۔۔۔ آپ صحیح مشورہ دیں تو سنبھل بھی سکتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ بات کھل جانے کی شرمندگی میں باز بھی آجائیں گے۔ پلیز۔ مدد کردیں ہنی کی۔ اور دیکھیں۔ آپ نے قسم کھائی ہے اپنے بیٹے کی۔ کہ آپ اس سارے معاملے میں میرا نام نہیں آنے دیں گی۔"

آخر کار میں ان سے بات منوا کے ہی وہاں سے اٹھا۔

☼ ☼